خبرنامہ ہمدرد

"اور احسان کر
(لوگوں کے ساتھ)
جیسا کہ اللہ نے
تیرے ساتھ
احسان کیا"

(القصص ۷۷)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وأحسن كما أحسن الله إليك

ہمدرد

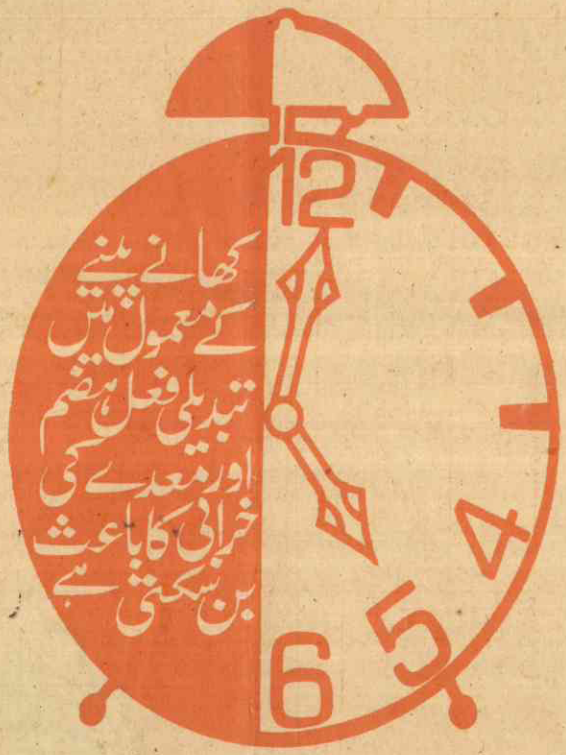

اس کے لئے مناسب احتیاط اور **کارمینا** کی ضرورت ہے

بدہضمی، قبض، معدے میں گیس، بھوک کی کمی، سینے کی جلن، کھانے کے بعد
طبیعت کا گر جانا اور پیٹ پھولنا، یہ سب خرابی ہضم کی واضح علامتیں ہیں۔
کارمینا ان کی اصلاح اور علاج کے لئے مفید ہے۔

کارمینا

ہمدرد

نظام ہضم کو بیدار کرتی ہے
معدہ اور آنتوں کے افعال کو منظم و درست کرتی ہے

خبرنامہ ہمدرد

(ماہنامہ طب وصحت)

جولائی ۱۹۷۹ء
شعبان ۱۳۹۹ھ

جلد ۱۷ شمارہ ۷

مجلس ادارت

ڈاکٹر حافظ محمد الیاس ـــــــ صدر
خالد لطیف ـــــــ مدیر مسئول
حکیم محمد یٰسین دہلوی ـــــــ رکن
حافظ عتیق الرحمٰن ـــــــ رکن
متین الحسن موہانی ـــــــ ناظم
علی حسن۔ قمر ہاشمی ـــــــ معاونین
مسعود علی ـــــــ تزئین

فہرست مضامین

روزہ اعتدال سکھاتا ہے ـــــــ ۳
جناب حکیم محمد سعید کی مصروفیات ـــــــ ۴
رمضان۔ نیکیوں کا موسم بہار ـــــــ ۵
روزے کی غرض وغایت ـــــــ ۶
مومن کی صفات ـــــــ ۸
بچوں کا عالمی سال ـــــــ ۱۰
شام ہمدرد ـــــــ ۱۱
صحت وطب ـــــــ ۱۴
تاثرات ـــــــ ۱۵
ہمدرد نسواں ـــــــ ۱۶
اسلامی نظام میں دیانت اور عدل کی اہمیت ـــــــ ۱۷
تجرباتِ ہمدرد ـــــــ ۱۸
ہمدرد نونہال ـــــــ ۱۹
ہمدرد صحت ـــــــ ۲۰
مسرت اور شادمانی کے گُر ـــــــ ۲۱
وقت سے فائدہ اُٹھایئے ـــــــ ۲۲

دفاتر

صدر دفتر

المجید ـــ ہمدرد ڈاک خانہ - ناظم آباد ـــ کراچی
ٹیلی فون: ۶۱۶۰۰۱ (۵ لائنیں) - سیکریٹریٹ متوتی: ۶۱۶۰۰۱ (۵ لائنیں)
جنرل منیجر: ۶۱۶۰۰۱ (۵ لائنیں) - ۶۱۱۷۵۵ (ڈائریکٹ لائن)
زونل آفس کراچی: ۲۱۳۳۷۱

شاخیں

لاہور: ۳ فین روڈ ـــ ٹیلے فون: ۵۳۸۱۹
لاہور فیکٹری: گارڈن ٹاؤن ـــ ۸۵۴۱۲۲
راولپنڈی: ہیسی گیٹ ـــ ٹیلے فون: ۶۴۳۳۸
پشاور: صدر روڈ ـــ ۷۴۱۸۶

قیمت: فی پرچہ ۷۵ پیسے سالانہ: ۸ روپے

ناشر: حکیم محمد سعید — طابع: زین پیکیجنگ انڈسٹریز کراچی

نقطۂ ہمدرد

روزہ اعتدال سکھاتا ہے

حکیم محمد سعید

رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم نازل کیا جو انسانوں کے لیے کتاب ہدایت اور حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے والی کسوٹی ہے، اسی ماہ مبارک میں اس نے روزے فرض کیے جو بہ یک وقت ریاضت بھی ہے، اور عبادت بھی۔ عبادت اللہ کی اور ریاضت رُوح کی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ روزہ ہمیں اعتدال کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ اعتدال زندگی کے ہر شعبے میں ہمارا معلّم ہے اور "خیر الامور اوسطہا" کی روشنی میں کھانے پینے میں بھی احتیاط و اعتدال سکھاتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ نے کھانے پینے کی کھلی آزادی صرف اس لیے عطا فرمائی ہے کہ کھانا پینا انسان کی فطرت ہے، لیکن کھلی آزادی صرف حلال چیزوں کی ہے۔ رمضان کا مہینہ جہاد کا مہینہ ہے، جہاد اپنے نفس سے، اس کی خواہشات کے خلاف۔ انسان کی زندگی میں ایسے لمحات بھی آتے ہیں کہ وہ اپنے فرائض سے غافل اور اپنے نفسانی تقاضوں سے عاجز آجاتا ہے۔ فرائض سے غفلت کی ہزار صورتیں ہیں جو اخلاقی ضابطوں کا تار و پود بکھیر کر رکھ دیتی ہیں مسلمان اگر اپنے راستے سے ہٹ جائے تو اس پر روحانی طمانیت اور دل کے سکون کے تمام دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ اگر ایک روزے دار کی روح روزے کی غرض وغایت کا ادراک نہیں کرتی تو میرے خیال میں اسے اپنی احساس و ادراک کی قوتوں کو بیدار کرنا چاہیے۔ جب آپ روزہ رکھتے ہیں تو خالق کائنات کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ طلوع سحر سے غروب آفتاب تک آپ خود پر جو پابندی عائد کرتے ہیں وہ آپ کا اپنا فعل اور اپنا ضمیر ہے جو آپ کو حق تعالیٰ کے حکم کی پابندی اور اس کے ارشاد کی تعمیل کے لیے بہ رضا ترغیب دیتا ہے اور ان پابندیوں کو توڑنے نہیں دیتا۔ اطاعت کی تربیت بھی روزے ہی کا فیض روحانی ہے۔ حال آں کہ آپ جس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں وہی آپ کو کھانے پینے کی پوری آزادی دیتا ہے، مگر ایک حد کے ساتھ تاکہ آپ اسراف نہ کریں، خرچ کرنے میں بھی اعتدال کے عادی ہوں۔ آپ اگر ضرورت سے زیادہ اسراف کریں گے تو وہ فضول خرچی اور حد اعتدال سے نکل جانے کی تعریف میں آتا ہے۔ اسی طرح کھانے پینے کا معاملہ ہے کہ آپ اگر ضرورت سے زیادہ کھائیں گے تو اپنے جسم کو تکلیف دیں گے اور صحت کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ رمضان میں قدرت کی نعمتوں سے بے حساب استفادہ کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ آپ اپنے اقتصادی نظام کو متاثر کرلیں۔ اس سلسلے میں یہ حکم ہے کہ آپ اپنے پڑوس اور اپنے معاشرے پر بھی نظر رکھیں کہ آپ کا کوئی پڑوسی مسلسل فاقہ کرکے تو روزہ نہیں رکھتا۔

اپنے معمولات سے زیادہ افطار اور سحر کے لیے جو اہتمام کیا جائے وہ روزے کی اسپرٹ کے خلاف ہے اور اسلام کی روح کے منافی ہے۔ اعتدال کے راستے سے جو بات ہمیں ہٹا دے وہ نہ صرف اسلام کی تعلیم کے برعکس ہے بلکہ روزے کے مفہوم اور اس کے مقاصد کو بھی متاثر کرتی ہے۔

اسلام کا ہر رُکن انسانی زندگی کے صحیح نشو و نما کے لیے اپنے اندر ہزار ہا ظاہری و باطنی مصلحتیں رکھتا ہے مجھے اس وقت صرف اسی ایک رُکن کی حقیقت کے متعلق آپ سے دو ایک باتیں کہنی ہیں جسے "صوم" کہتے ہیں۔

روزے پہلی اُمتوں پر بھی فرض کیے گئے تھے گو ان کی تعداد وہ نہ تھی جو ہمارے مقررہ روزوں کی ہے، اور فرض اس لیے قرار دیے گئے کہ انسان پرہیزگاری کی راہ اختیار کرے۔

"اے ایمان والو! تم پر روزے
فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے
لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار
بنو" (پارہ ۲۔ رکوع ۷)

گویا روزہ انسان کو پرہیزگاری کی راہ پر چلاتا ہے، اس سے جسم و جان دونوں تزکیہ پاتے ہیں۔ یہ خیال کہ روزہ ایک انفرادی عبادت ہے صحیح نہیں بلکہ ظاہر و باطن کی صفائی کا یہ طریق، یہ ضبط نفس، یہ خواہشات نفسانی اپنے بس میں رکھنے کا نظام اپنے اندر ملت کی تمام اقتصادی اور معاشرتی زندگی کی اصلاح کے مقاصد پوشیدہ رکھتا ہے۔

رمضان صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے۔ رمضان ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرنے کا مہینہ ہے اور یہ وہ مہینہ ہے جس میں مومن کا رزق بڑھایا جاتا ہے۔ جو شخص اس مہینے میں کسی روزے دار کا روزہ کھلوائے گا تو وہ اس کے گناہوں کی مغفرت اور اس کی گردن کو دوزخ کی سزا سے بچانے کا ذریعہ ہے۔

حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ ہم (صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے عرض کی

رسول اللہ ہم میں سے ہر ایک کو یہ توفیق میسر نہیں ہے کہ روزہ دار کا روزہ کھلوائے۔ اس پر رسول اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہ اجر اس کو بھی دے گا جو کسی روزے دار کو دودھ کی لسی یا کھجور سے بھی روزہ کھلوا دے یا ایک گھونٹ پانی پلا دے اور اگر کوئی شخص کسی روزے دار کو پیٹ بھر کر کھانا کھلوا دے تو اسے اللہ تعالیٰ حوض کوثر سے سیراب فرمائے گا اور جو اس حوض سے سیراب ہوگا اُسے پیاس محسوس نہ ہوگی، یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

میں ذاتی طور پر رمضان المبارک میں گزشتہ ۴۵ سال سے کھجور سے روزہ افطار کرتا ہوں، اور اگر ممکن ہوتا ہے تو لیموں یا کسی پھل کا رس پی لیتا ہوں۔ نماز مغرب سے فارغ ہو کر ناشتہ کر لیتا ہوں۔ یعنی ایک گلاس دودھ، ذرا سی ڈبل روٹی بغیر مکھن کے۔ کبھی انڈا اور بس۔ سحری میں معمولی سادہ کھانا کھاتا ہوں۔ گھی کی روٹی اور چاول رمضان المبارک میں ترک کر دیتا ہوں۔ سالہا سال سے اس معمول پر کاربند ہوں اور مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

شائد میں غلطی نہیں کروں گا، اگر ایسا ہی کرنے کا سب کو مشورہ دوں۔ یقین کیجیے کہ ایسا کرنے سے صحت کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، اس کے برعکس اس میں جسم اور روح دونوں کا فائدہ ہے، پھر دیکھیے کہ تراویح اور تہجد میں کیا مزہ آتا ہے۔ یہ کیا نماز ہوئی کہ نماز پڑھ رہے ہیں اور کھٹی ڈکاریں آ رہی ہیں، یا رکوع میں گئے ہیں تو پانی اُچھل کر آ رہا ہے اور سجدے میں غذا جیسے باہر نکلی جاتی ہو۔

اعتدال سے آگے بڑھنے اور روزے کے اصول کے خلاف پُرخوری کرنے کے یہی نتائج ظاہر ہوں گے جو بات آج سائنس کو معلوم ہوئی ہے اس کا ادراک ذات ختم الرسلؐ کو تھا اس لیے آں حضورؐ نے روزے کو جسم و روح کے لیے باعث خیر و برکت قرار دیا ہے، اور میانہ روی کی تلقین فرمائی ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"بلاشبہ ہم نے انسان کو اس طرح بنایا ہے کہ اس کی زندگی مشقتوں سے گھری ہوئی ہے۔"

روزہ روحانی اور جسمانی برکتوں کی حقیقتیں انسان واضح کرتا ہے۔ اس مشقت سے جو صحی فوائد اسے پہنچتے ہیں اس کے ثمرات انسان کو بقیہ گیارہ مہینوں میں محسوس ہوتے ہیں۔

روزہ تہذیب نفس کی تعلیم دیتا ہے۔

ماہِ صیام

مولانا ظفر علی خاں

گزر گیا مہ شعبان اور صیام آیا
سواد قدس سے پیک خجستہ گام آیا
ملائکہ کے جنود آسمان سے اترے
پیام رحمت باری جہاں کے نام آیا
ہو مژدہ بادہ کشوں کو کہ ایک سال کے بعد
پھر اُن کے سامنے جنّت سے دور جام آیا
اسی مہینے میں نازل ہوا کلام مجید
اسی مہینے میں اسلام کا پیام آیا
ملی سپید و سیہ کو نوید امن و سلام
بشر کے واسطے انعام لطف عام آیا
خنک وہ جان جو اسلام پر نثار ہوئی
خوشا وہ سر جو خدا کی طلب میں کام آیا

جمال ریزیٔ ماہ صیام کیا کہنا
چھلک رہا ہے شریعت کا جام کیا کہنا
یہ مسجدوں میں تراویح کے حسیں منظر
بہار سنّت خیر الانام کیا کہنا
عجیب کیف ہے قرآن کی صداؤں میں
اُتر رہا ہے خدا کا کلام کیا کہنا
دلوں میں نور کی قندیل ہو گئی روشن
فروغِ بزمِ درود و سلام کیا کہنا
لبوں کا روح کا قلب و نظر کا روزہ ہے
رضائے حق کا حسین اہتمام کیا کہنا

غافل کرنالی

جولائی ۱۹۷۹ء میں جناب حکیم محمد سعید صاحب کی مصروفیات

پروگرام سفر

یکم جولائی: بروز اتوار، بوقت ۲-۱۵ بجے سہ پہر کراچی سے پشاور۔ بذریعہ پی آئی اے

۲ جولائی: بروز پیر، بوقت ۸ بجے شب پشاور سے راولپنڈی۔ بذریعہ پی آئی اے

۴ جولائی: بروز بدھ، بوقت ۱۵-۸ بجے شب راولپنڈی سے لاہور، بذریعہ پی آئی اے

۶ جولائی: بروز جمعہ، بوقت ۴۵-۹ بجے شب لاہور سے کراچی، بذریعہ پی آئی اے

۲۶ جولائی: بروز جمعرات، بوقت ۴ بجے صبح کراچی سے حیدرآباد، بذریعہ کار

ایّامِ مطب

پشاور۔ ۲ جولائی فجر کی نماز کے بعد سے سہ پہر تک
مطب ہمدرد۔ صدر روڈ پشاور

راولپنڈی۔ ۳، ۴ جولائی فجر کی نماز کے بعد سے سہ پہر تک
مطب ہمدرد۔ میسی گیٹ راولپنڈی

لاہور۔ ۵ و ۶ جولائی، فجر کی نماز کے بعد سے سہ پہر تک
۶ جولائی جمعے کو فجر کی نماز کے بعد سے ۱ بجے تک
مطب ہمدرد۔ فین روڈ لاہور

حیدرآباد: ۲۶ جولائی فجر کی نماز کے بعد سے اختتام مطب تک
مطب ہمدرد۔ تلک چاڑی، حیدرآباد

شامِ ہمدرد

پشاور

۲ جولائی، بروز پیر۔ ۴۵-۴ بجے شام
ہوٹل خیبر انٹرکونٹی نینٹل۔ پشاور

راولپنڈی

۳ جولائی: بروز منگل۔ ۴۵-۴ بجے شام
ہوٹل انٹرکونٹی نینٹل۔ راولپنڈی

لاہور

۵ جولائی، بروز جمعرات ۴۵-۴ بجے شام
ہوٹل فلیٹیز۔ لاہور

کراچی

۱۹ جولائی، بروز جمعرات ۴۵-۴ بجے شام
ہوٹل انٹرکونٹی نینٹل۔ کراچی

رمضان
نیکیوں کا موسمِ بہار

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب رمضان آتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین باندھ دیے جاتے ہیں، ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ رحمت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ رمضان کے آغاز میں لوگوں کو نصیحت کرنے کے لیے مسجد نبوی میں خطبات دیا کرتے تھے۔ ایسے ہی خطبات میں سے ایک خطبۂ جمعہ یہ ہے:

"جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو آسمان (یا جنت یا رحمت) کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، رمضان کی آمد کے بعد جتنی نیکیاں کر سکتے ہو کرتے چلے جاؤ، جنت کے سب دروازے تمہارے لیے کھلے ہیں۔ اگر صدقہ و خیرات کے دروازے سے جنت میں پہنچ سکتے ہو تو صدقہ و خیرات کے دروازے سے پہنچو، اگر روزے کے دروازے سے پہنچ سکتے ہو تو روزے کے دروازے سے پہنچو۔ اگر تلاوت قرآن مجید کے راستے سے پہنچ سکتے ہو تو اس راستے سے پہنچو۔ اگر پرائیوں سے اجتناب کے ذریعے سے پہنچ سکتے ہو تو اس ذریعے سے پہنچو۔ الغرض جنت میں پہنچنے کے لیے تمام دروازے پوری طرح تمہارے لیے کھلے ہیں، اور اب یہ تمہارا کام ہے کہ خود کو جنت کے قابل بنا لو۔ پھر فرمایا کہ جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ رمضان کے مہینے میں اُن برائیوں کے امکانات بھی کم ہو جاتے ہیں جن میں ایک آدمی دوسرے زمانے میں عام طور پر مبتلا ہو سکتا ہے چناں چہ ایک نیکوکار مسلمان رمضان کی ایمان پرور فضا کی بہ دولت برائی کے بہت سے امکانات سے بچ جاتا ہے اور اس طرح جہنم کے دروازے اس کے لیے بند ہو جاتے ہیں۔

تیسری بات یہ فرمائی کہ "شیاطین باندھ دیے جاتے ہیں۔" ان الفاظ کا مدعا یہ ہے کہ رمضان المبارک وہ زمانہ ہے جس میں نیکیاں فروغ پاتی ہیں اور شیاطین کی کارفرمائی رُک جاتی ہے۔ چوں کہ تمام مسلمان بہ یک وقت روزہ رکھتے ہیں اور ایک ایک آدمی الگ الگ روزہ نہیں رکھتا اس لیے بہ یک وقت روزہ رکھنے سے پوری قوم کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کا ایک ایسا ماحول پیدا ہو جاتا ہے جو دوسرے دنوں میں نہیں ہوتا اس لیے رمضان وہ مہینہ ہے جس میں آدمی کے اندر رجوع الی اللہ کی ایک مسلسل کیفیت جاری و ساری رہتی ہے۔ ایک شخص دن بھر روزہ سے ہوتا ہے اسے گویا ہر وقت یہ یاد ہوتا ہے کہ میں روزے سے ہوں اور میں نے اپنے رب کی خوشنودی کے لیے روزہ رکھا ہوا ہے۔ جب اُسے پیاس لگے گی تو وہ پانی نہیں پیے گا کیوں کہ اسے یاد ہوگا کہ وہ روزے سے ہے، جب اُسے بھوک لگے گی اور کھانے کی خواہش ہوگی تو اسے یاد ہوگا کہ وہ روزے سے ہے اس لیے کھانے سے مجتنب رہے گا۔ اس طرح رمضان کے پورے مہینے میں آدمی کا رجوع مسلسل اللہ تعالیٰ کی طرف رہتا ہے۔ وہ افطار کرتا ہے تو گویا خود محسوس کرتا ہے کہ یہاں تک کہ تو میرے رب نے مجھے باندھ رکھا تھا اب اس نے مجھے اجازت دے دی تو روزہ افطار کر رہا ہوں۔ اس کے بعد کھانا کھایا تو پھر تراویح کے لیے چلا گیا جس سے پھر رجوع الی اللہ کی نوبت آئی۔ اس طرح مسلسل چوبیس گھنٹے اللہ کی طرف اس کا رجوع رہا، اور پھر یہ رجوع ایک آدمی کا نہیں ہوتا بلکہ پوری قوم کا ہوتا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ رمضان نیکی کا موسم ہے، جس طرح بارش کا ایک موسم ہوتا ہے اور اس میں ہر چیز نشوونما پاتی ہے، اسی طرح یہ نیکیوں کا موسم ہے اور اس میں نیکیوں کی ترقی کے بے شمار مواقع پیدا ہو جاتے ہیں۔ آدمی جس قدر روحانی ترقی کرنا چاہے کر سکتا ہے کیوں کہ اس میں ہر آدمی کی نیکی دوسرے کے لیے مددگار ثابت ہوتی ہے ہر آدمی دوسرے کے روزے میں مددگار ہوتا ہے۔ عام دنوں میں روزہ رکھ کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ اس میں کتنی شدت پائی جاتی ہے، کیوں کہ کوئی آدمی بھی روزے میں دوسرے کا مددگار نہیں ہوتا، لیکن رمضان میں یہ کیفیت نہیں ہوتی۔ پورا معاشرہ ایک کیفیت میں ہوتا ہے۔ اس طرح ایک آدمی کو لاکھوں آدمیوں کے روزے سے مدد ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رمضان میں انسان کی روحانی ترقی اور سیرت و کردار کی اصلاح و تعمیر کے بے شمار مواقع پیدا ہو جاتے ہیں، آپ دیکھتے ہیں کہ اب بھی اس بگڑے ہوئے ماحول میں اگر کوئی شخص رمضان کے زمانے میں گالم گلوچ کر رہا ہو تو لوگ کہتے ہیں: "میاں رمضان میں یہ حرکت کر رہے ہو؟" اس کے معنی یہ ہیں کہ معاشرے کو اب تک اس بات کا احساس ہے کہ رمضان کا احترام کیا معنی رکھتا ہے اور اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صدر اوّل میں کیا کچھ کیفیت ہوگی اسی بنا پر فرمایا کہ رمضان میں جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں، دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور شیاطین باندھ دیے جاتے ہیں۔ لیکن یہ امر بہر حال ملحوظ رکھنا چاہیے کہ یہ بات ایک مسلم معاشرے کے صالح ماحول کے بارے میں بیان کی گئی ہے ورنہ اسی زمانے میں اگر کوئی شخص شرک اور دوسرے گناہوں کا مرتکب ہو تو اس کے لیے دوزخ کے سارے دروازے کھل جاتے ہیں اور جنت کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ جنت کے دروازوں سے مراد وہ بڑی نمایاں نیکیاں ہیں جن کے ذریعے سے آدمی جنت میں جا سکتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی فیاضی، سخاوت اور انفاق فی سبیل اللہ میں بڑھا ہوا ہے، وہ نیکی کے دوسرے کام بھی کر رہا ہے، روزے بھی رکھتا ہے۔ اور نمازیں بھی پڑھتا ہے لیکن اس کی نمایاں نیکی جس کی وجہ سے وہ ممتاز ہے انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ چناں چہ یہ انفاق فی سبیل اللہ دراصل جنت کا ایک دروازہ ہے جس کے ذریعے سے وہ جنت میں داخل ہوگا، پھر مثلاً ایک اور شخص ایسا ہے کہ اس کے اعمال میں نمایاں نیکی جہاد فی سبیل اللہ ہے، تو وہ مجاہدین فی سبیل اللہ کے دروازے سے جنت میں داخل ہوگا، اس طرح مختلف آدمیوں کے جو نمایاں اوصاف ہیں ان کے لحاظ سے ان کی حیثیت مشخص ہوتی ہے، اور انہی کے لحاظ سے جنت کے وہ دروازے ہیں جن سے وہ اس میں داخل ہوں گے دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ نیکیاں تو دنیا میں بے شمار ہیں لیکن اگر ان نیکیوں کو تقسیم کریں تو وہ آٹھ بابوں میں تقسیم ہو سکتی ہیں۔ ان آٹھ بابوں میں سے جس باب سے کوئی شخص زیادہ مناسبت رکھتا ہوگا، اسی کے راستے سے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ مثال کے طور پر ایک دروازہ رَیّان (سیراب کرنے والا) ہے اور اس سے جنت میں صرف روزہ دار ہی داخل ہوں گے اس کا مفہوم یہ ہے کہ ویسے تو روزہ سارے مسلمان رکھیں گے لیکن جن لوگوں نے کثرت سے روزے رکھے ان کا پورا پورا حق ادا کیا اور یہی بات پیش نظر رکھی کہ وہ زیادہ روزے رکھ کر اپنے اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تو یہ دروازہ ان کے لیے مخصوص ہوگا۔

روزے کے اجر کی کوئی حد نہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم کا ہر عمل اس کے لیے کئی گنا بڑھایا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک نیکی دس گنی تک اور دس گنی سے سات سو گنی تک بڑھائی جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزے کا معاملہ اس سے جدا ہے، کیوں کہ وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔

روزے کی غرض و غایت

علامہ سید سلیمان ندوی

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی تعلیم رسمی، محض حکم کے طور پر نہیں ہے، بلکہ وہ سرتاپا حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہے۔ اس کے فرائض کی عمارت روحانی، اخلاقی، اجتماعی اور مادی فوائد اور منفعتوں کے چہار گانہ ستونوں پر قائم ہے اور ان مصلحتوں منفعتوں کے اصول اور جوہر کو خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیفۂ الہامی نے ظاہر کر دیا ہے اور بتا دیا ہے۔ چنانچہ روزے کے مقاصد اور اس کے اغراض بھی اس نے تین مختصر فقروں میں بیان کر دیے ہیں۔

(۱) تاکہ خدا نے جو تم کو ہدایت کی ہے اس کی بڑائی اور عظمت ظاہر کرو۔

(۲) اور تاکہ اس ہدایت کے ملنے پر تم خدا کا شکر کرو۔

(۳) تاکہ پرہیزگار بنو (یا تم میں تقویٰ پیدا ہو)

شریعت والے پیغمبروں کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے شریعت کے اترنے سے پہلے ایک مدت تک ملکوتی زندگی بسر کی اور تا بہ امکان کھانے پینے کی انسانی ضرورتوں سے دور رہے اور انھوں نے اس طرح اپنی روح کو عالم بالا سے اتصال کے لائق بنایا، یہاں تک کہ وہ مکالمۂ الٰہی سے سرفراز ہوئے اور پیغام ربانی نے اُن پر نزول کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چالیس روزے اسی طرح بسر کیے تب تورات کی لوحیں ان کو سپرد ہوئیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی چالیس روز اسی طرح گذارے تب حکمت کا سرچشمہ اُن کی زبان اور سینے سے اُبلا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں ایک مہینے یعنی تیس دن مصروف عبادت رہے، اس کے بعد فیضانِ الٰہی کا نور اس غار کے دہانے سے طلوع ہوا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس روزے کی فرضیت سے سب سے پہلا مقصد انبیا علیہم السلام کے ان متبرک و مقدس ایام کی تقلید و پیروی ہے۔ یہودی بھی حضرت موسیٰ کی پیروی میں چالیس دنوں کا روزہ مناسب اور صرف چالیسویں دن کا روزہ فرض سمجھتے ہیں۔ عیسائیوں کو بھی حضرت عیسیٰؑ کی تقلید اور پیروی میں یہی چاہیے تھا (مگر انھوں نے پال کی پیروی میں حضرت عیسیٰؑ کے اور احکام و سنن کی اتباع نہیں کی اس کی بھی نہ کی) اسی طرح مسلمانوں کو بھی یہ حکم ہوا کہ وہ اپنے رسولؐ کی پیروی میں یہ چند دن اسی طرح گذاریں چنانچہ فرمایا:

"اے مسلمانو! جیسے تم سے پہلے لوگوں پر (ان کے رسولوں کی پیروی اور ہدایت ملنے کے شکریے میں) روزہ فرض کیا گیا تھا، تم پر بھی فرض کیا گیا۔"

دین الٰہی کی تکمیل، نبوت کے اختتام اور تعلیم محمدیؐ کے کمال کی یہ بھی بڑی دلیل ہے کہ گزشتہ امتوں نے اپنے اپنے پیغمبروں کی تقلید اور پیروی کے جس سبق کو چند ہی روز میں بھلا دیا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لاکھوں اور کروڑوں کی اُمت اس کو اب تک یاد رکھے ہوئے ہے، اور اپنے رسول کی پیروی میں وہ بھی ایک مہینے تک اسی طرح دن کو کھانے پینے اور دوسری نفسانی خواہشوں سے اپنے کو پاک رکھتی اور ملکوتی زندگی بسر کرتی ہے۔ اگر آپ نفس و جسم کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان میں تین مطالبے ہیں ایک غذا کا مطالبہ جس پر بقائے حیات کا انحصار ہے دوسرا صنفی مطالبہ جو بقائے نوع کا ذریعہ ہے، اور تیسرا آرام کا مطالبہ جو قوت کار کردگی کی بحالی کے لیے ضروری ہے یہ تینوں مطالبے اپنی حد کے اندر ہیں تو عین منشائے فطرت ہے لیکن نفس و جسم کے پاس یہی تین پھندے ایسے ہیں کہ ذرا سی ڈھیل پاتے ہی وہ ان کے جال میں پھانس کر آدمی کی خودی کو اللہ اپنا غلام بنا لیتے ہیں۔ روزہ نفس کی ان تین خواہشوں کو اپنے ضابطے کی گرفت میں لیتا ہے اور خودی کو اُن پر قابو پانے کی مشق کراتا ہے۔ وہ اس خودی کو جو خدا پر ایمان لا چکی ہے یہ خبر دیتا ہے کہ تیرے خدا نے آج دن بھر کے لیے تجھ پر دانہ پانی حرام کر دیا ہے۔ اس مدت کے اندر تیرے مالک نے آج تیری صنفی خواہشات پر بھی پابندی عائد کر دی ہے۔ صبح صادق سے غروب آفتاب تک تیرے لیے حلال طریقے سے بھی ان خواہشات کو پورا کرنا حرام ہے۔ وہ اسے یہ اطلاع بھی دیتا ہے کہ تیرے رب کی خوشی اس میں ہے کہ دن بھر کی بھوک پیاس کے بعد جب تو افطار کرے تو نڈھال ہو کر لیٹ نہ جائے، بلکہ اُٹھ کر عام دنوں سے زیادہ اُس کی عبادت کرے۔ وہ اس حکم پہنچاتا ہے کہ نماز کی لمبی رکعتوں سے فارغ ہو کر جب تو آرام لے تو صبح تک مدہوش ہو کر نہ پڑا رہے، بلکہ معمول کے خلاف سحری کے لیے اٹھے اور صبح سے پہلے اپنے جسم کو غذا دے۔ یہ سارے احکام پہنچا دینے کے بعد وہ اس کی تعمیل کا معاملہ خود اسی پر چھوڑ دیتا ہے۔ اس کے پیچھے کوئی پولیس، کوئی سی آئی ڈی، کوئی خارجی دباؤ ڈالنے والی طاقت نہیں لگائی، وہ چھپ کر کھائے پیے یا صنفی خواہشات پوری کرے، تو خدا کے سوا کوئی اس کو دیکھنے والا نہیں ہے۔ وہ تراویح سے بچنے کے لیے کوئی حیلہ کرے تو کوئی دنیوی طاقت اس پر گرفت نہیں کر سکتی سب کچھ اس کے اپنے اُوپر منحصر ہے۔ اگر مومن کی خودی واقعی خدا کی مطیع ہو چکی ہے اور اگر اس کے ارادے میں اتنا زور ہے کہ نفس پر قابو پا سکے تو وہ خودی غذا کی مانگ کو صنفی خواہش کو اس ضابطے میں کس دے گا جو آج خلاف معمول اس کے لیے مقرر کر دیا گیا ہے۔ یہ صرف ایک دن کی مشق نہیں ہے مسلسل تیس دن خودی سے یہ مشق کرائی جاتی ہے۔ پورے سال میں ۲۰ گھنٹوں کے لیے یہ پروگرام بنا دیا گیا ہے کہ رات کے آخر میں اُٹھ کر سحری کھاؤ۔ صبح پو پھٹتے ہی کھانا پینا بند کر دو۔ دن بھر ہر قسم کی غذا سے پرہیز کرو، غروب آفتاب کے بعد ٹھیک وقت پر افطار کرو، پھر رات کا ایک حصہ تراویح کی غیر معمولی نماز میں کھڑے رہ کر گذارو، اور چند گھنٹے آرام لینے کے بعد پھر دوسرے دن کے لیے پروگرام شروع کر دو۔ اسی طرح مہینے بھر تک پے در پے نفس کے ان تین سب بڑے اور سب سے زیادہ طاقت ور مطالبوں کو ضابطے میں کستے رہنے سے خودی کے اندر یہ طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ خدا کی مرضی کے مطابق اپنے نفس و جسم پر حکومت کر سکے، اور یہ عمر بھر میں صرف ایک ہی دفعہ کا پروگرام نہیں ہے، بلکہ سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد سے مرتے دم تک سال میں ایک مہینہ اسی مشق کے لیے وقف کیا گیا ہے تاکہ نفس پر خودی کی گرفت بار بار تازہ اور سخت ہوتی رہے۔

یہ ساری مشق محض اس غرض کے لیے نہیں ہے کہ مومن کی خودی صرف اپنی بھوک پیاس، فطری خواہش اور آرام طلبی پر قابو پالے، اور اس کی غرض یہ بھی نہیں ہے کہ اس کو نفس و جسم پر قابو صرف ایک رمضان ہی کے مہینے میں حاصل رہے۔ دراصل اس کا مدعا یہ بھی ہے کہ نفس کے ان تین سب سے زیادہ زوردار حربوں کا مقابلہ کر کے وہ اس کے سارے ہی جذبات اور ساری خواہشات پر قابو پانے والا ہو جائے اور اس میں اتنی طاقت پیدا ہو جائے کہ محض رمضان ہی میں نہیں بلکہ رمضان کے بعد باقی گیارہ مہینوں میں بھی وہ ہر اس خدمت کے لیے اپنے جسم اور اس کی طاقتوں سے کام لے سکے جو خدا نے اس پر فرض کی ہو، ہر اس برائی سے رُک سکے جو خدا کی ناپسند ہے، اور اپنی خواہشات و جذبات کو ان حدود کا پابند بنا کر رکھ سکے جو خدا نے اس کے لیے مقرر کر دی ہیں، اس کی باگیں نفس کے قبضے میں نہ ہوں کہ جدھر جدھر وہ چاہے اس کو کھینچے کھینچے پھرے، بلکہ عنانِ اقتدار اس کے اپنے ہاتھ میں رہے اور نفس کی خواہشوں کو جس وقت، جس حد تک اور جس طرح پورا کرنے کی خدا نے اجازت دی ہے انھیں اس ضابطے کے مطابق پورا کرے، اس کا ارادہ اتنا کم زور نہ ہو کہ فرض کو فرض جانتا بھی ہو، ادا بھی کرنا چاہتا ہو، مگر جسم پر اس کا حکم ہی نہ چلتا ہو۔ جسم کی مملکت میں وہ اس زبردست حاکم کی طرح

ہے جو اپنے ماتحت عملے سے ہر وقت اپنے حسب منشا کام لے سکتا ہو۔ یہی طاقت پیدا کرنا روزے کا اصلی مقصد ہے۔ جس شخص نے روزے سے یہ طاقت حاصل نہ کی، اُس نے خواہ مخواہ اپنے آپ کو بھوک پیاس اور رت جگے کی تکلیف دی۔

چاند طلوع ہوتے ہی مدینہ طیبہ اور دوسری اسلامی بستیوں میں بہار آجاتی۔ ذکر و عبادت کے پھول کھلنے لگتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل بیت کو یہ حکم دیتے کہ وہ عبادت پر کمربستہ ہو جائیں، حضورؐ کی فیاضی موجِ نیسم کی طرح عام ہو جاتی، گھروں میں قرآن کریم کے زمزمے گونج اُٹھتے، مسجد نبویؐ تراویح پڑھنے والوں سے بھر جاتی، ہر شخص فرداً فرداً تراویح پڑھتا۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے دیکھا لوگ نوافل پڑھنے میں مصروف ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور مصلّے رکھ دیے ہو گئے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے صفیں بنالیں۔ پہلی رات نماز تراویح پڑھی گئی، دوسری رات بھی حضورؐ نے تراویح پڑھائی۔ تیسری رات مسجد اس طرح بھر گئی کہ تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔ صحابہؓ منتظر بیٹھے رہے کہ حضورؐ حجرہ مبارک سے برآمد ہوتے ہیں اور نماز پڑھاتے ہیں انتظار طویل ہوتا چلا گیا، رات بھیگتی چلی گئی۔ آخر خاصی رات گئے حضورؐ تشریف لائے۔ فرمایا "مجھے علم تھا کہ آپ لوگ میرے منتظر ہیں، مگر میں اس لیے نماز پڑھانے نہ آیا کہ کہیں تمہارے اس ذوق و شوق کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نماز تراویح کو فرض نہ کر دے۔" سحری کے وقت لوگوں کو جگانے کے لیے حضرت عبداللہ ابن اُمّ کلثومؓ اذان دیتے، ساری بستی جاگ اُٹھتی۔ صبح کی سپید دھاری مشرقی افق پر نمودار ہوتی تو حضرت بلالؓ اذان دیتے۔ نماز کے بعد اپنے اپنے کام میں لگ جاتے۔

مدینہ طیبہ کے مسلمان روزہ رکھنے میں کبھی سہل انگاری سے کام نہ لیتے، موسم چاہے کتنا ہی سخت ہوتا روزے ضرور رکھتے۔ کھانے کو کچھ نہ ہوتا تو پانی ہی پی کر روزے رکھ لیتے۔ کسی غلطی سے کوئی شخص روزہ توڑ بیٹھتا تو گویا اس پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا۔ روتے دھوتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا اور چارہ جوئی کے لیے عرض کرتا۔ رمضان کے آخری عشرے میں نیکی اور طاعت و عبادت کی فضا اور گہری ہو جاتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شب قدر کے فضائل بیان فرماتے اور اسے طاق راتوں میں ڈھونڈنے کی تلقین فرماتے۔ خود حضور رمضان کے آخری دس دنوں میں بالعموم اعتکاف کرتے اور صحابہ کرام کو بھی معتکف ہونے کی ترغیب دیتے۔ مقصد یہ تھا کہ مسلمان رمضان میں دس دن دنیوی جھمیلے چھوڑ چھاڑ کر گوشہ نشین ہو جائیں، اور اپنا زیادہ سے زیادہ وقت طاعت و عبادت میں گذاریں۔

"روزے میں ایک خاص بات ایسی ہے جو کسی عبادت میں نہیں۔ وہ خاص بات یہ ہے کہ چوں کہ روزہ ہونے یا نہ ہونے کی بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو خبر نہیں ہو سکتی، اس لیے روزہ وہی رکھے گا جس کو اللہ تعالیٰ کی محبت یا اللہ تعالیٰ کا ڈر ہوگا، اور اگر فی الحال اس میں کچھ کمی بھی ہوگی، تو تجربے سے ثابت ہے کہ محبت و عظمت کے کام کرنے سے محبت و عظمت پیدا ہو جاتی ہے، اس لیے روزہ رکھنے سے یہ کمی پوری ہو جائے گی۔"

(مولانا اشرف علی تھانویؒ)

"وہ کون سی شب مبارک تھی جس میں خدا کا کلام روح پر در ایک انسان کے منہ میں ڈالا گیا جو لیلۃ القدر یعنی عزت و حرمت کی رات تھی، جو ہزار مہینے سے بہتر تھی کہ آسمان کی باتیں زمین والوں کو سنائیں۔ وہ امن و سلامتی کی رات تھی کہ اس میں دنیا کے لیے امن و سلامتی کا پیغام اُترا۔ یہ وہ شب ہے جس میں اقوام عالم کی قسمتوں کا فیصلہ ہوا۔ یہ وہ شب ہے جس میں برکات ربانی کی ہم پر سب سے پہلی بارش ہوئی۔ یہ وہ شب ہے جس میں (اس مہینے میں) خود خزینہ نبوت تھا کلام الٰہی کے اسرار سب سے پہلے منکشف ہوئے اور رحمت ہائے آسمان نے زمین میں نزول کیا۔ پس ہر مسلم کا فرض ہے کہ وہ اس لیلۂ مبارک میں رحمتوں کا طالب ہو اور اس رحمان و رحیم ہستی کے آگے سر نیاز خم کرے جبین پُر معاصی کو زمین کے اُوپر خاکساری سے رکھے اور بصد خضوع و خشوع دست تضرع دراز کرے۔"

(مولانا ابوالکلام آزاد)

اللہ تعالیٰ نے معدے کو غذا سے خالی تو اسی لیے رکھا تھا کہ اس کے انوار سے سینہ معمور ہو سکے اور بارانِ رحمت سے دل کی سیاہیاں دُھل سکیں، اور اگر دل کے حجاب ویسے ہی دبیز ہیں اور انوار الٰہی کے نام ہی سے اجنبیت محسوس ہوتی ہے تو بھوک اور پیاس کی سختیاں جھیلنے سے کیا حاصل ہے؟

اللہ تبارک و تعالیٰ نے روزے کی جزا اور روزے کا ثواب بے حد و حساب رکھا ہے، آپ اگر اس کے حکم پر سر خم کر کے اس فرض کو پورا کریں گے اور اس کے تمام حقوق ادا کریں گے تو آپ کو اپنی راہ میں بھوکا پیاسا رکھنے والا اپنی کن نعمتوں اور کن فضائل سے سرفراز فرمائے گا اس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔

(سید ابوبکر غزنوی)

مومن کی صفات

مولانا محمد تقی عثمانی

مومن درحقیقت وہ شخص ہے جو دل سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپؐ کے بتائے ہوئے تمام عقائد و احکام پر غیر متزلزل یقین رکھتا ہو اور اس کو اس بات کا پختہ یقین ہو کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو جو احکام دیئے ہیں وہی ان اُن کی دین و دنیا کی فلاح کے ضامن ہیں۔ اس ایمان کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنی پوری زندگی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق گزارے، جن باتوں کا اُسے حکم دیا گیا ہے انھیں بجالائے اور جن سے روکا ہے ان سے رُک جائے۔

لہٰذا ایک مومن کی بنیادی صفت یہ ہے کہ اُس کی زندگی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوتی ہے وہ اپنے ہر کام اور ہر نقل و حرکت میں پہلے یہ دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی اجازت ہے یا نہیں۔ اجازت ہوتی ہے تو کرتا ہے ورنہ رک جاتا ہے۔ چنانچہ اس کی زندگی اپنی نفسانی خواہشات کے بہاؤ پر بہنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق بسر ہوتی ہے۔

مومن کی یہ وہ بنیادی اور جامع صفت ہے کہ اُس کے نتیجے میں تمام نیک اور اچھی صفات اس میں خود بخود پیدا ہو جاتی ہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے احکام اپنے بندوں کو عطا فرمائے ہیں اُن سب کا مقصد یہ ہے کہ انسان اچھی صفات سے آراستہ اور بُری صفات سے پاک ہو جائے۔ اور جو شخص ایک مرتبہ یہ عہد کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کی پابندی کرے گا تو لازماً وہ ساری اچھی صفات اس میں پیدا ہو جائیں گی۔

مومن کی یہ صفات جو اطاعتِ خداوندی سے پیدا ہوتی ہیں۔ اتنی بے شمار ہیں کہ مختصر وقت میں ان سب کا بیان ممکن نہیں، لیکن اگر اختصار اور جامعیت سے کام لیا جائے تو مومن کی صفات خاص طور سے زندگی کے پانچ شعبوں سے متعلق ہوتی ہیں:

۱۔ عقائد ۲۔ عبادات ۳۔ معاملات
۴۔ معاشرت ۵ اور اخلاق

عقائد کے شعبے میں مومن کی بنیادی صفت قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

> اور یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان رکھتے ہیں ان ہدایات پر جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئیں اور ان ہدایات پر جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پیغمبروں پر نازل کی گئیں اور وہ آخرت کا یقین رکھتے ہیں۔

مومن کی اس صفت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیا علیہم السلام کے ذریعہ سے جتنے عقائد اور جتنی ہدایات دنیا میں بھیجی ہیں، ان سب کو برحق ماننے کے ساتھ ساتھ وہ اس بات کا پختہ یقین رکھتا ہے کہ مرنے کے بعد اسے اپنے ایک ایک عمل کا جواب دینا ہوگا۔ اس یقین کی بنا پر وہ رات کی تاریکی اور جنگل کی تنہائی میں بھی حتی الامکان کسی ایسے کام کا مرتکب نہیں ہوتا جس کی وجہ سے اس کو آخرت میں پروردگار کے سامنے شرمسار ہونا پڑے۔

عبادات کے شعبے میں مومن کی صفت یہ ہے کہ اپنے آپ کو صرف اور صرف اللہ کا بندہ سمجھتا ہے۔ اللہ کے سوا نہ کسی کو پوجتا ہے نہ کسی کے آگے جھکتا ہے، نہ کسی سے ڈرتا ہے اور نہ اس کے سوا کسی کی قدرت اور اختیار سے کسی مدد کا طلب گار ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے عبادت کے جتنے طریقے مقرر فرما دیئے ہیں ان سب کو پورے اخلاص عاجزی اور احساس بندگی کے ساتھ بجا لاتا ہے۔

چناں چہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> "فلاح پا گئے مومن حاصل کریں گے جو اپنی نماز میں خشوع سے کام لیتے ہیں۔"

اور آگے ارشاد ہے:

> "اور جو لوگ رب کی باتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے اور جو لوگ کہ (اللہ کی راہ میں) جو کچھ دیتے ہیں اس طرح دیتے ہیں کہ (مال خرچ کرنے کے باوجود) ان کے دل اس بات سے ڈرے ہوئے ہوتے ہیں کہ انھیں اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے، ایسے لوگ دوڑ دوڑ کر نیکیوں کی طرف جاتے ہیں اور ان نیکیوں میں سبقت لے جاتے ہیں۔"

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بدنی عبادت کا معاملہ ہو یا اس کی راہ میں مال خرچ کر کے مالی عبادت کا سوال ہو۔ مومن کی صفت یہ ہے کہ وہ سب سے آگے نکلنے کی کوشش کرتا ہے۔

معاملات کے شعبے میں مومن کی صفت یہ ہے کہ وہ اپنی بات کا سچا اور وعدے کا پکا ہوتا ہے۔ وہ کسی سے دھوکا فریب یا بدعہدی کا معاملہ نہیں کرتا اور نہ بے جا طریقے سے دوسرے کا حق غصب کرنے کی فکر میں رہتا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے:

> اور وہ مومن فلاح یافتہ ہیں جو اپنی امانتیں اور اپنے وعدوں کا پاس کرنے والے ہیں۔

لفظ "امانت" کے لغوی معنی میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کی ذمہ داری کسی شخص نے اٹھائی ہو۔ اور اس معاملے میں اس پر بھروسہ کیا گیا ہو اور چوں کہ ایسی امانت کی بہت سی قسمیں ہیں، اس لیے قرآن کریم نے یہاں جمع کا صیغہ استعمال فرمایا ہے تاکہ اس میں امانت کی تمام قسمیں شامل ہو جائیں۔

اس میں مالی امانت تو ظاہر ہی ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنا کوئی مال کسی کے پاس رکھوایا ہو تو یہ اس کی امانت ہے جسے واپس کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔ اس کے علاوہ کسی نے کوئی راز کی بات کسی سے کہی ہو تو یہ بھی اس کی امانت ہے اور شرعی عذر کے بغیر اس راز کا کسی پر ظاہر کرنا اس امانت میں خیانت ہے۔ اسی طرح کسی ملازم کو جتنے وقت کے لیے ملازم رکھا گیا اس پورے وقت کو ملازمت کے کام میں لگانا بھی امانت ہے اور وقت کی چوری یا کام کی چوری خیانت کے حکم میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امانت کا پاس کرنا بڑا جامع لفظ ہے جس میں معاملات کی بے شمار قسمیں داخل ہو جاتی ہیں اور مومن کی صفت یہ ہے کہ وہ ان تمام امانتوں کا پاس کرتا ہے۔

اسی طرح وعدے اور معاہدے کا پاس کرنے میں بھی معاملات کی بہت سی صورتیں داخل ہو جاتی ہیں۔ مثلاً اشیائے فروخت میں ملاوٹ یا ان کے عیب کو چھپانا یا کم ناپ تول کا ارتکاب یہ تمام جرائم عہد شکنی میں داخل ہیں اور مومن کی صفت یہ ہے کہ اسے اپنے معاہدے کا پاس ہوتا ہے وہ جیسا معاہدہ کرتا ہے اسی کے مطابق عمل بھی کرتا ہے۔ کیوں کہ اُسے یقین ہے کہ اگر بدعہدی کے نتیجے میں اس نے کچھ تھوڑا بہت ظاہری نفع کما بھی لیا تو دنیا و آخرت دونوں میں اس کا انجام بڑا ہولناک ہے۔ معاملات کی صفائی، امانت داری اور معاہدے کی پابندی مومن کا وہ طرۂ امتیاز رہا ہے جسے دیکھ کر ماضی میں بہت سے کافر مسلمان ہوئے۔ عبادات میں اگر تھوڑی بہت کوتاہی ہو جائے تو اس کی تلافی توبہ سے ہو سکتی ہے لیکن بدمعاملگی اور حقوق العباد کو تلف کرنے کی تلافی صرف توبہ سے بھی ممکن نہیں جب تک صاحب حق کو اس کا حق نہ پہنچا دیا جائے یا وہ خوش دلی سے از خود معاف نہ کر دے، اس وقت تک اس گناہ عظیم کے معاف ہونے کی کوئی صورت نہیں۔

چنانچہ جب اسلام عملاً دنیا میں نافذ تھا تو اس وقت مسلمان خواہ کتنا ہی گیا گزرا ہو لیکن جھوٹ، دھوکا، فریب، بدعہدی اور خیانت کو کسی قیمت پر گوارا نہیں کرتا تھا۔

زندگی کا چوتھا شعبہ "معاشرت" ہے یعنی دوسروں کے ساتھ میل جول اور باہمی تعلقات کے انداز۔ اس شعبے میں ایک مومن کی بنیادی صفت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی ہے:

"مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے لوگ محفوظ ہوں۔ اور مومن وہ ہے جس سے دوسروں کو اپنی جان و مال کے معاملے میں کوئی خطرہ نہ ہو۔"

اسلام کے نظام معاشرت کے تمام احکام اس بنیادی اصول کے گرد گھومتے ہیں کہ ہر مسلمان اس بات کا دھیان رکھے کہ اس کے کسی طور طریقے اور کسی عمل سے کسی دوسرے کو کسی قسم کی جسمانی یا نفسیاتی تکلیف نہ پہنچے۔ کسی شخص کو دل آزار باتیں کہنا، کسی کی پیٹھ پیچھے برائی کرنا، کسی کی چغلی کھانا، کسی کے خلاف بدگمانی میں مبتلا ہونا، کسی کے عیوب کی جستجو کرنا، کسی کی اجازت کے بغیر اس کی خلوت میں مخل ہونا یہ سب وہ گناہ ہیں جنھیں قرآن کریم نے صریح الفاظ میں ممنوع قرار دیا ہے۔ ایک مومن کی صفت یہ ہے کہ

وہ اس قسم کی تمام گھٹیا باتوں سے مکمل پرہیز کرتا ہے۔

آخری شعبہ اخلاق کا ہے اور اس شعبے میں سرکار دوعالم علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ

"مکمل ایمان ان ہی لوگوں کا ہے جو خوش اخلاق ہوں"

خوش اخلاقی کا مطلب یہ ہے کہ انسان میں تکبر کے بجائے تواضع اور انکسار، بخل کے بجائے سخاوت، بزدلی کے بجائے بہادری، سخت مزاجی کے بجائے رحم دلی، جلد بازی کے بجائے تحمل، زبان درازی کے بجائے عفت و پاکیزگی پائی جائے۔ اس سے مل کر، اس کی باتیں سن کر اس کے کردار کو دیکھ کر دوسرے کو انقباض کے بجائے فرحت حاصل ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسانی شرافت کی جتنی اچھی صفات ہو سکتی ہیں ایک مومن کو ان سب کا مجموعہ ہونا چاہیے۔

جس شخص میں ان صفات کی جتنی کمی ہے اتنا ہی اس کا ایمان نامکمل ہے اور جو شخص ان صفات سے محروم ہے وہ خواہ قانونی طور پر مسلمان ہی کہلائے لیکن جس قسم کا مسلمان اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلوب ہے اس سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان صفات سے آراستہ ہونے کی توفیق عطا فرمائے جو ایمان کا لازمی تقاضا ہیں جن سے مزین ہو کر قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے دنیا بھر پر اپنے عروج و اقبال کے پرچم لہرائے ہیں اور جو آج بھی ہماری دنیا و آخرت سنوارنے کے لیے لازمی شرط کی حیثیت رکھتی ہیں۔

دُرِّ سیر

صحت و توانائی بخش غذائے دوائی

ترکیب استعمال:

حفظِ ماتقدم: دُرِّ سیر کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ مانع تعفن (انٹی سپٹک) اور قاتلِ جراثیم ہے، اس لیے بعد غذا ہر روز ایک ایک دُرِّ سیر کھانے سے امراض کا حملہ نہیں ہوتا۔ سردیوں میں کہ جب نزلہ و زکام کھانسی اور سینے کے درد اور نمونیا کا خطرہ رہتا ہے، بہار میں کہ جب فساد خون کا اندیشہ ہوتا ہے، گرمیوں میں کہ جب وباؤں اور ناتوانائی کا سامنا ہوتا ہے، روز بعد غذا دُرِّ سیر ایک ایک عدد کھانا ان تمام خطرات سے محفوظ رکھتا ہے۔

ایک غذا: دُرِّ سیر کو ایک صحت اور طاقت بخش غذا کی حیثیت بھی حاصل ہے، اس لیے ناتوانائی، اضمحلال و نقاہت اور ایسی صورتوں میں کہ جسمانی مشقت کی وجہ سے جسمانی قویٰ کمزور ہو رہے ہوں دُرِّ سیر کا استعمال بہت اہمیت رکھتا ہے۔ ناشتے کے بعد اور دونوں وقت کھانا کھانے کے بعد دُرِّ سیر کا ایک ایک عدد کھانے سے نہ صرف توانائی آجاتی ہے بلکہ جسم میں چستی پیدا ہو جاتی ہے اور ہر قسم کی تھکن دور ہو جاتی ہے۔

نزلہ و زکام: نزلہ و زکام کی حالت میں دُرِّ سیر صبح و شب دو دو عدد گرم پانی کے ساتھ کھائیے۔

امراض صدر: کھانسی، سینے کے درد (برنکائٹس) اور نمونیا میں کھانے سے قبل ایک ایک دُرِّ سیر استعمال کرنی چاہیے۔ دق و سل میں ایک قاتل جراثیم دق و سل کی حیثیت سے ایک طاقت بخش غذائے دوائی کے طور پر دُرِّ سیر کا استعمال بے حد نفع بخش ہوتا ہے۔ دق و سل میں دُرِّ سیر کی کم از کم دو ٹکیاں روزانہ کھانی چاہئیں۔

امراض شکم: دُرِّ سیر کو ایک تریاق کی حیثیت بھی حاصل ہے، اس لیے معدہ اور آنتوں کی بہت سی تکلیفوں کے لیے اسے مفید پایا گیا ہے۔ دُرِّ سیر قاتل کرم شکم بھی ہے، کھانے کے بعد ایک ایک دُرِّ سیر کھانی چاہیے۔ دُرِّ سیر معدے کی تیزابیت بھی رفع کرتی ہے کھانے سے آدھ گھنٹے قبل ایک دُرِّ سیر کھانی چاہیے۔

بلند فشار خون: دُرِّ سیر کا ایک فائدہ یہ ہے کہ یہ خون کی رگوں (شریانوں) میں سختی پیدا ہونے کی کیفیت کو روکتی ہے، اسی لیے بلند فشار خون (ہائی بلڈ پریشر) کے مریضوں کے لیے دُرِّ سیر ایک نعمت ہے۔ بلند فشار خون کے مریضوں کو روزانہ چار دُرِّ سیر (ایک ایک صبح، سہ پہر، سہ پہر، سہ پہر و شب) استعمال کرنی چاہئیں۔

بچّوں کا عالمی سال

انگریزی کا مشہور شاعر ولیم ورڈز ورتھ کہتا ہے کہ بچہ انسان کا باپ ہے۔ ایک اور شاعر ملٹن کے خیال میں مستقبل کے انسان کا اندازہ اس کے بچپن ہی میں بالکل اُسی طرح ہو جاتا ہے جس طرح صبح سے دن کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ ایک بزرگ نے فرمایا کہ بچوں کو نظر انداز کرنا خدا کی مرضی کے خلاف ہے۔

بچے مستقبل کا سرمایہ ہیں۔

بچوں کے بارے میں لوگوں نے کتنی اچھی اور سچی باتیں کہی ہیں۔ ان سب پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ بچے کتنی اہمیت رکھتے ہیں۔ دنیا کے ہر مذہب خصوصاً اسلام نے بچوں کے بارے میں واضح احکام دیے ہیں۔ خود ہمارے رسولؐ کو بچے بے حد عزیز تھے۔ اتنی بڑی دنیا میں کہیں چلے جائیے ان ننھے فرشتوں کی مسکراہٹیں خوشیاں بکھیرتی نظر آئیں گی۔ ہر جگہ ماں باپ اپنے بچوں کے معصوم اور مسکراتے چہرے دیکھ کر خوش ہوتے نظر آئیں گے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ بچے آنکھوں کا تارا ہوتے ہیں۔

آج دنیا میں ڈیڑھ ارب بچے رہ بس رہے ہیں۔ ان میں سے بہت کم بچے سُکھ اور چین کی زندگی گذار رہے ہیں۔ انھیں بھوک، بیماریاں اور موسم ستاتے ہیں۔ جنگ کی آگ انھیں جلا ڈالتی ہے۔ جہالت کے اندھیرے انھیں ڈراتے ہیں۔ کتنے پھول ہیں جو کھلنے سے پہلے ہی مُرجھا جاتے ہیں۔ بچوں کے انہی مسائل اور دُکھوں کو سوچ کر ساری دنیا کے بڑوں نے ۱۹۷۹ء میں بچوں کا بین الاقوامی سال منانے کا فیصلہ کیا۔ اس سال بچوں کے ان مسائل پر غور ہوگا جس کا انھیں سامنا ہے۔ ان کی ضرورتوں کا اندازہ کر کے انھیں سب مل کر پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔ دنیا کے سارے ملک ایسے پروگرام بنائیں گے جن پر عمل کرنے سے ساری دنیا کے بچوں کو فائدہ پہنچے گا۔

ہماری دنیا دو بڑے حصّوں میں بٹی ہوئی ہے ایک حصہ تو اُن ملکوں کا ہے جہاں خوب ہی ترقی ہوئی ہے۔ یہاں کے بچوں کو اچھی غذا میسّر ہے۔ اچھی طبی سہولتیں فراہم ہیں۔ عمدہ تعلیم حاصل کرنے کے مواقع حاصل ہیں۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ان ملکوں کے بچے پھولوں میں تلتے ہیں۔ ان کی معمولی سی تکلیف پر ان کے بزرگ اور ان کی حکومتیں بے چین ہو جاتی ہیں کیونکہ وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ان کے مستقبل کی تعمیر یہی کریں گے۔ انھیں سے ان ملکوں کا نام روشن ہوگا۔ ان ملکوں کو ترقی یافتہ ملک کہا جاتا ہے۔

دوسرا حصّہ ان ملکوں کا ہے جو ابھی تک کسی نہ کسی کے قبضے میں ہیں، جہاں آزادی کا سورج ابھی طلوع نہیں ہوا ہے، جیسے جنوبی افریقہ۔ ان میں وہ ملک بھی شامل ہیں جنھوں نے غلامی کے لمبے اندھیرے کے بعد ابھی ابھی آزادی حاصل کی ہے۔ ان ملکوں کو جس میں ہمارا پیارا ملک پاکستان بھی شامل ہے ڈھیر سارے مسائل کا سامنا ہے۔ ان ملکوں کے بڑے خود دُکھ اور تنگ دستی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کے بچوں کا جو حال ہے وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ ابھی نہ تو تن پر کپڑا نصیب ہے اور نہ پیٹ بھر خوراک۔

دنیا کی آدھی آبادی بچوں کی ہے۔ ایک دل چسپ اندازے کے مطابق اگر دنیا کے تمام چودہ سال سے کم عمر کے بچے ایک دوسرے کے کندھوں پر کھڑے ہو جائیں تو ان کے اس مینار کی بلندی چاند اور زمین کے درمیانی اوسط فاصلے سے تقریباً ساڑھے تین گنی زیادہ ہوگی۔ اتنی بڑی تعداد کے باوجود انھیں اپنی زندگی کے بارے میں کچھ کہنے کا حق نہیں۔ دنیا کے ان بچوں میں تین چوتھائی بچے غریب یا ترقی پذیر ملکوں میں رہتے ہیں۔ گویا دنیا کے بچوں کی بہت بڑی تعداد بھوک، افلاس، بیماری اور جہالت کا شکار ہے۔

ماہروں نے اندازہ لگایا ہے کہ سائنسی ترقی کے اس روشن زمانے میں دنیا کے پانچ سو ملیون بچے پوری غذا سے محروم ہیں۔ دو سو ملیون بچے لکھنے پڑھنے سے محروم ہیں۔ غربت اور افلاس کی وجہ سے ماں باپ اس قابل نہیں ہیں کہ اپنے بچوں کے لیے کافی کما سکیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایسے چھ سو ملیون ماں باپ کے لیے ۱۲ سال سے کم عمر کے بچے مختلف قسم کے کام دھندے اور مزدوری کرتے ہیں۔

بچوں کو انہی مشکلات کو دیکھ کر اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ۲۰ نومبر ۱۹۵۹ء کو ایک اقرار نامہ منظور کیا تھا۔ اس اقرار نامے کو دنیا کے تمام ملکوں نے منظور کر کے وعدہ کیا ہے کہ بچوں کو ہر قسم کی لاپرواہی اور ظلم سے محفوظ رکھا جائے گا۔ ان سے کام لے کر ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا جائے گا انھیں خریدا اور بیچا نہیں جائے گا بچوں کو ایک مناسب عمر سے پہلے کام پر نہیں لگایا جائیگا انھیں کاموں سے دور رکھا جائے گا جن سے ان کی صحت اور تعلیم کو نقصان پہنچے۔ دنیا کے تمام بچوں کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے گا۔

آپ نے ابھی پڑھا ہے کہ بچے بھوک، بیماری اور جہالت کے علاوہ جنگ کی آگ سے بھی جھلستے ہیں۔ جنگ بڑے لڑتے ہیں، دُکھ چھوٹے اُٹھاتے ہیں۔ دنیا کے کسی نہ کسی حصّے میں جنگ کے شعلے ضرور بھڑکتے ہیں ہزاروں خاندان بے گھر ہو جاتے ہیں۔ مائیں اپنے جگر کے ٹکڑوں کو سینے سے لگائے نئے ٹھکانوں کی تلاش میں نکل پڑتی ہیں۔

ایک اندازے کے مطابق اس وقت دنیا میں دس ملیون پناہ گزین کیمپوں میں پڑے زندگی گذار رہے ہیں۔ ان میں پانچ ملیون بچے شامل ہیں۔

غریب ملکوں کے لاکھوں افراد روزگار کی تلاش میں غیر ملکوں کو جاتے ہیں۔ ایسے خاندانوں کے بچے اپنے جانے بوجھے ماحول سے نکل کر اجنبی دنیا میں پہنچ جاتے ہیں، جہاں کی ہر چیز مختلف ہوتی ہے۔ زبان، مذہب رہن سہن، موسم، لوگ تعلیم غرض وہ ہر اعتبار سے ایک بالکل نئی دنیا میں جا پہنچتے ہیں، ان کی وجہ سے وہ نت نئی مشکلات کا شکار ہو جاتے ہیں۔

یہ اور اسی قسم کے سینکڑوں مسائل ہیں جنھیں اس سال حل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ ایسے پروگرام بنائے جائیں گے جن پر عمل کر کے کل کی دنیا کے یہ کروڑوں رکھوالے بہتر حالات میں پل کر جوان ہوں۔ اقوام متحدہ کے تمام ممبر ملک اس بات کی پوری کوشش کریں گے کہ وہ بچوں کے عالمی اقرار نامے پر عمل کریں۔

اقوام متحدہ کا ایک مشہور ادارہ یونیسکو بھی ہے یہ ادارہ آج سے تیس سال پہلے قائم ہوا تھا اس کا مقصد پوری دنیا میں تعلیم، سائنس، ثقافت اور باہمی میل جول کو بڑھانا ہے تاکہ دنیا ایک دوسرے کو بہتر طور پر سمجھ سکے اور یوں بچوں اور بڑوں کی حالت سُدھر جائے۔

بچوں کے اس عالمی سال میں یونیسکو بھی بھرپور حصّہ لے گا اور اس سال معذور بچوں کی تعلیم کے سلسلے میں خاص کوشش کرے گا۔ وہ بچوں کے حقوق کی حفاظت اور پناہ گزین بچوں کی امداد کی کوشش بھی کرے گا۔ یونیسکو پوری دنیا میں اس بات پر بھی غور کرے گا کہ ٹیلے ویژن کے تعلیمی پروگراموں پر کیا اثر پڑتا ہے۔ یونیسکو اس سلسلے میں کئی کتابیں بھی چھاپے گا اس نے کئی ریڈیو اور ٹی وی پروگرام بھی مرتب کیے ہیں۔ یہ بات تو آپ کے علم میں ہوگی کہ یونیسکو دنیا کی ۲۰ زبانوں میں اپنا ایک رسالہ کوریئر چھاپتا ہے۔ اس کا اردو ایڈیشن پیامی کے نام سے حکومت پاکستان کے تعاون سے ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن شائع کرتا ہے۔ پیامی کے مدیر جناب حکیم محمد سعید ہیں۔ پیامی نے حال میں بچوں کے عالمی سال کے سلسلے میں ایک خاص ایڈیشن شائع کیا ہے۔

اسی میں دنیا کی بہتری ہے اس میں تمام انسانوں کی بھلائی ہے۔ اسی طرح ہم دنیا کو صحیح معنی میں خوش حالی اور نیکی کا گہوارہ بنا سکیں گے۔

بچوں کا مشہور ماہ نامہ
ہمدرد نونہال
پاکستان کے ہر اچھے بک اسٹال پر دستیاب ہے
ہمدرد سینٹر۔ ناظم آباد کراچی ۱۸

شامِ ہمدرد

تعمیرِ اذہان، ترقیٔ وطن، تہذیب، اخلاقِ ملّی، احترام و شرف، پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت، تشخصِ ملّی، روایات اور ثقافتِ ملّی کا تحفظ اور بقا۔ اس کا دوسرا نام و عنوان شامِ ہمدرد ہے اس قومی و ملّی پلیٹ فارم سے اہلِ فکر و نظر اور اصحابِ فضل و کمال نے کردارِ ملّی کی تعمیر کا بے مثال فریضہ انجام دیا ہے اور پورے تسلسل کے ساتھ عرصے سے یہ سلسلہ جاری ہے جس کی دوسری مثال پاکستان میں نہیں ہے۔ ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن کی خدماتِ ملّی میں شامِ ہمدرد کو زبردست اہمیت حاصل ہے

شامِ ہمدرد پشاور

موضوع: "قومی ترقی میں تعلیم کا کردار"

۳۰ اپریل ۱۹۷۹ء کو ساڑھے پانچ بجے ہوٹل خیبر انٹرکونٹی نینٹل پشاور میں شامِ ہمدرد کی ایک پروقار تقریب تعلیم کے کردار پر منعقد ہوئی۔

صدارت کے فرائض ناظم تعلیمات صوبہ سرحد الحاج کفایت اللہ صاحب نے سرانجام دیے مہمانِ مقرر جامعہ پنجاب کے شعبۂ سیاست کے پروفیسر ڈاکٹر منیر الدین چغتائی تھے۔

ریڈیو پاکستان پشاور کے قاری فدا محمد صاحب کی رُوح پرور تلاوت سے تقریب کا آغاز ہوا، اور سب سے پہلے پروگرام شامِ ہمدرد پشاور کے نگران جمیل صدیقی صاحب نے مہمانوں کو خوش آمدید کہا۔

ملک کے ممتاز طبیب۔ صدر پاکستان کے مشیر اور ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن کے صدر جناب حکیم محمد سعید نے اپنے کلماتِ ابتدائیہ میں مہمانوں کا تعارف کرایا، اور موضوع کی اہمیت و افادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے نصابِ تعلیم کو ملّی تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے پر زور دیا۔ آپ نے

مہمانِ مقرر جناب ڈاکٹر منیر الدین چغتائی صاحب شامِ ہمدرد پشاور میں اپنا مقالہ پڑھ رہے ہیں۔

شامِ ہمدرد پشاور کے صدر مجلس الحاج کفایت اللہ صاحب صدارتی تقریر فرما رہے ہیں۔

نئی نسل کے نوجوانوں پر زور دیا کہ وہ اپنے اندر خود اعتمادی عملِ پیہم، اخلاقی جرأت، بلند کردار، اعلا اخلاق، شجاعت اور یقینِ محکم پیدا کریں۔ نظریۂ پاکستان سے واقفیت حاصل کریں اور اپنے اسلاف کے روحانی، مذہبی، تاریخی ادبی اور ثقافتی ورثوں سے بہرہ ور ہوں تاکہ وہ آنے والے دور میں ملکی ترقی میں ایک تاریخ ساز کردار ادا کر سکیں۔

مہمانِ مقرر نے قومی ترقی کو ملک کی معیشت اور اقتدارِ سیاست کا ایک لازمی حصہ قرار دیتے ہوئے تعلیمی نظام کو بامقصد بنانے پر زور دیا تاکہ پاکستان کے شہری محبِ وطن بن سکیں، اور چشمِ اقوامِ عالم میں شرف و اعتبار کا درجہ پا سکیں۔ مہمانِ مقرر نے غیر ملکی برآمدہ نصابِ تعلیم پر نکتہ چینی کی اور ملک کے مختلف حصوں میں معیاری تعلیمی اداروں کے قیام کی تجویز پیش کی جو مشنری اسکولوں کے مقابلے میں اعلا علمی اور تدریسی کتب کے ذریعے سے اپنے ملک کے نوجوانوں کی رہنمائی کریں۔ ڈاکٹر صاحب نے بڑے دکھ اور افسوس سے کہا کہ قیامِ پاکستان سے لے کر اب تک نظامِ تعلیم کو اسلامی خطوط پر استوار کرنے کے لیے کوئی مثبت اور ٹھوس قدم نہیں اٹھایا گیا۔

شامِ ہمدرد کی تقریب کے صدر اور صوبہ سرحد کی ممتاز علمی اور مذہبی شخصیت الحاج کفایت اللہ صاحب نے اپنے خطبۂ صدارت میں حکیم محمد سعید صاحب کی کاوشوں پر خراجِ تحسین پیش کیا اور شامِ ہمدرد کی افادیت کا ذکر کیا۔ انھوں نے قرآن و حدیث کی روشنی میں اسلامی تعلیمات پر مبنی نصابِ تعلیم پر زور دیا اور موجودہ حکومت کی نظامِ اسلام کے نفاذ کے سلسلے میں کی جانے والی کاوشوں کو سراہا۔ آپ نے کہا کہ دینی، مذہبی اور روحانی تعلیم کے عام ہو جانے سے نیک اور صالح انسان جنم لے گا اور وہ یقیناً ملک کی ترقی میں معاون ثابت ہوگا۔

اس پُروقار تقریب میں سرحد کے ممتاز دانشوروں ادیبوں، صاحبانِ فکر و علم، علمی اداروں کے سربراہوں اور خواتین و حضرات نے شرکت کی۔

شامِ ہمدرد راولپنڈی

موضوع: "اسلامی فلسفے پر ارسطو کے اثرات"

یکم مئی ۷۹ء کو منعقد ہونے والی شامِ ہمدرد کے مہمانِ مقرر تھے جناب مسرت حسین زبیری اور صدارت جناب ڈاکٹر احمد محی الدین، شیخ الجامعہ قائدِ اعظم یونیورسٹی اسلام آباد نے فرمائی۔

مہمانِ مقرر شامِ ہمدرد راولپنڈی جناب مسرت حسین زبیری تقریر فرما رہے ہیں۔

جناب مسرت حسین زبیری نے اپنی تقریر میں ارسطو کی زندگی پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور شاگرد ارسطو افلاطون اور سقراط کی وضاحت فرمائی۔ انھوں نے کہا کہ اگرچہ ارسطو نے بے شمار موضوعات پر علم کے خزانے چھوڑے ہیں لیکن انہی "خالق منطق" کہا جا سکتا ہے۔ ارسطو کا فلسفہ Deduction and Induction مسلمان فلسفیوں نے اختیار کیا اور یہ فلسفہ دو ہزار سال تک مشرق و مغرب پر اثر انداز رہا۔ انھوں نے کہا کہ ارسطو کا حکمرانی کے سلسلے میں یہ نظریہ تھا کہ حکمراں کا فلاسفر ہونا ضروری نہیں البتہ حکمراں کے لیے ضروری ہے کہ وہ فلاسفروں سے مشورہ لیتا رہے۔

صدر مجلس شام ہمدرد راولپنڈی میں جناب احمد محی الدین صاحب صدارتی تقریر فرما رہے ہیں۔

اس مجلس کی صدارت کرتے ہوئے جناب احمد محی الدین نے الکندی، الفارابی، بو علی سینا، ابن رشد اور الغزالی کا حوالہ دیا اور بتایا کہ ارسطو کا فلسفہ اسلام کی تعلیمات کے نزدیک تر تھا۔ اس سے قبل جناب حکیم محمد سعید صاحب نے مہمانوں اور موضوع کا تعارف کرایا۔

شام ہمدرد لاہور

موضوع:

"صحافت میں کردار کی اہمیت"

۳۰ مئی کو منعقد ہونے والی اس تقریب کا آغاز تلاوت کلام مجید سے ہوا۔ تلاوت جناب سرفراز عالم صاحب نے کی۔ تلاوت کے بعد جناب ڈاکٹر عبدالسلام خورشید نے ابتدائی کلمات ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ صحافت کا بنیادی فرض فلاح عامہ ہے۔ صحافت کو عوام کے حقوق کا علمبردار بننا چاہیے۔ نیز عوام کو حالات و واقعات سے آگاہ کرتے رہنا چاہیے اور ایسا کرتے وقت مہذب معاشرے کی روایات کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ اور ساتھ ہی انھوں نے معزز مہمان جناب ہارون سعد صاحب مدیر اعلیٰ روزنامہ "امروز" اور صدر مجلس جناب ایس ایم ظفر صاحب کا تعارف کرایا۔

ابتدائی کلمات کے بعد جناب ہارون سعد صاحب نے صحافت میں کردار کی اہمیت پر ایک مقالہ پڑھتے ہوئے فرمایا کہ صحافت اپنی کمزوریوں کے باوجود ایک مقدس پیشہ ہے جو تاریخ اور سچائی کا ریکارڈ ہے لیکن آج کوئی دعوا نہیں کر سکتا کہ صحافی اپنا فرض واقعی ادا

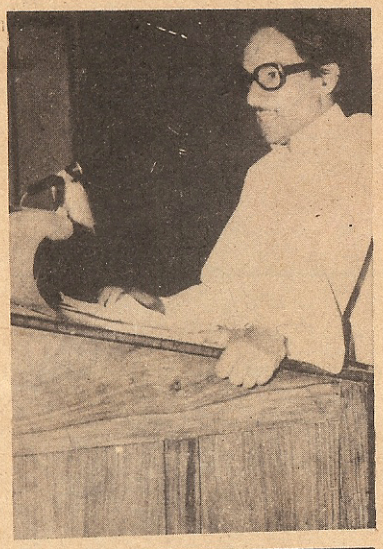

مہمان مقرر جناب ہارون سعد شام ہمدرد لاہور سے مخاطب ہیں۔

کر رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ماضی میں رئیس الاحرار محمد علی جوہر، مولانا ظفر علی خاں، ابوالکلام آزاد، حسرت موہانی، غلام رسول مہر اور آغا شورش کاشمیری جیسے بزرگوں نے صحافت کو مشن کے طور پر اپنایا تھا۔ انھیں اپنے مقصد کے ساتھ لگن تھی۔ قید و بند کی صعوبتیں اور مفقود کی ترغیبات کے باوجود اپنے مقصد سے پیچھے نہیں ہٹتے تھے۔ انھوں نے فرمایا کہ آج کی صحافت بھی باقاعدہ صنعت بن چکی ہے۔ آج کا صحافی ماضی (آزادی سے قبل) کے صحافیوں کی طرح خود مختار نہیں ہوتا۔ اخبارات کی پالیسیاں ان کے مالکان مرتب کرتے ہیں۔ صحافی کو خبریں لکھتے وقت اپنے اخبار کی پالیسی اس کی تعداد و اشاعت اور دیگر کئی عوامل کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔ چنانچہ صحافی کا کردار چکی کے دو پاٹوں کے درمیان پس کر رہ گیا ہے۔ چکی کا ایک پاٹ اگر مالک ہے تو دوسرا پاٹ صحافی کے پیٹ کا مسئلہ ہے۔

جناب ہارون سعد نے صحافی کی راہ میں حائل دیگر تکلیفوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے معاشرے میں ایسے قوانین موجود رہے ہیں جو قدم قدم پر صحافی کا راستہ روکتے ہیں۔ پچھلے کئی برسوں سے یہ روایت بن گئی ہے کہ جو اقتدار میں ہوا اس کی بات صحیح اور جو اقتدار سے الگ ہوا اس کی بات کو غلط قرار دیا جاتا ہے بعض ایسے عوامل پیدا ہو جاتے ہیں جو صحافی کو بروقت بات کہنے سے روک دیتے ہیں۔ اگر ہم مشرقی پاکستان کے حالات کے بارے میں حقائق کو بروقت شائع کر سکتے تو شاید علیحدگی کا المیہ رونما نہ ہوتا۔ جناب ہارون سعد

شام ہمدرد راولپنڈی کے مہمانان گرامی جناب حکیم محمد سعید صاحب کے ہمراہ دائیں سے بائیں جناب احمد محی الدین (صدر مجلس) جناب حکیم محمد سعید صاحب (میزبان) جناب مسرت حسین زبیری (مہمان مقرر)

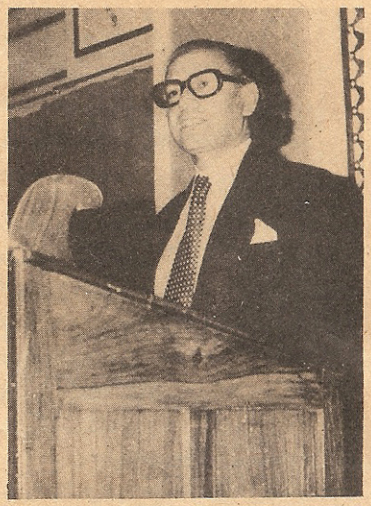

جناب ایس ایم ظفر صاحب شام ہمدرد لاہور میں صدارتی تقریر فرما رہے ہیں۔

نے کہا کہ صحافی بھی ہمارے معاشرے کا فرد ہے۔ لیکن اسے معاشرے کی خرابیوں کا سہارا لے کر اپنی ذمہ داریوں میں کوتاہی نہیں برتنی چاہیے۔ وہ جس موضوع پر بھی قلم اٹھائے اسے اپنی سچائی پر یقین ہونا چاہیے۔ اسے تمام مشکلات، مجبوریوں اور پابندیوں کے باوجود عوام تک حقائق پہنچانے کا فرض ادا کرنا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ اگر صحافی میں یہ خوبیاں پیدا ہو جائیں تو معاشرے کی خرابیاں کافی حد تک دور ہو سکتی ہیں۔

مہمان مقرر کے بعد صدر مجلس جناب ایس ایم ظفر صاحب نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا کہ صحافیوں کو ان تمام تر مجبوریوں کے باوجود حتی الامکان اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کو بطریق احسن ادا کرنا چاہیئے اور اگر حالات ساز گار نہ ہوں تو بھی فنی چابکدستی سے کام لے کر عوام کو معاشرے کے حقائق سے آگاہ کرتے رہنا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ صحافت معاشرے کا ایسا آئینہ ہے جس میں معاشرے کے تمام شعبے اپنا اپنا عکس دیکھ سکتے ہیں۔ اگر صحافت کا آئینہ صاف ہوا اور اس میں معاشرے کا صحیح عکس دکھائی دیتا رہے تو ممکن ہے بیشتر بڑے عناصر ختم ہو جائیں اور معاشرہ واقعی برائیوں سے پاک ہو جائے۔ انہوں نے کہا کہ اگر صحافی کھل کر بات نہیں کر سکتے تو انہیں اشاروں کنایوں سے کام لینا چاہیے۔ ہمارے عوام آج اتنے باشعور ہو چکے ہیں کہ وہ خبروں میں غلط اور صحیح کا امتیاز کر سکتے ہیں۔

مقالۂ شام ہمدرد

"ریاست کا اسلامی تصور"

از جناب جسٹس حمود الرحمٰن صاحب

کتابی صورت میں ہمدرد اکیڈمی نے شائع کیا ہے۔ یہ مقالہ انگریزی زبان میں ہے اور اپنے دلکش عنوان کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔

قیمت: پانچ روپے

ہمدرد اکیڈمی۔ ہمدرد سینٹر ناظم آباد کراچی ۱۸

کراچی کی ایک بستی میں ہمدرد گشتی دواخانے سے بستی کے مریض ادویہ حاصل کر رہے ہیں۔

خدمت خلق کا ایک مستقل ادارہ

ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن نے اگست ۱۹۶۳ء میں کراچی کی مضافاتی بستیوں کے رہنے والوں کے لئے جو اپنی کم آمدنی کی وجہ سے طبی ضرورت پوری کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے، ایک گشتی دواخانہ قائم کیا تھا جو گذشتہ ۱۵ سال سے خدمت خلق کے ایک مستقل ادارے کی حیثیت سے ان کی تسلسل کے ساتھ بلا معاوضہ خدمت انجام دے رہا ہے۔

زندگی کے بنیادی مسائل سے دوچار ان بستیوں کے مریض دو سے ڈھائی ہزار تک کی تعداد میں ہر ماہ ہمدرد گشتی دواخانے سے استفادہ کرتے ہیں اور انھیں بلا معاوضہ ادویہ دی جاتی ہیں۔ ذیل میں ایک گوشوارہ پیش کیا جا رہا ہے جو ۱۹۷۹ء کے پانچ مہینوں میں ہمدرد گشتی دواخانے سے استفادہ کرنے والے مریض مرد، خواتین اور بچوں کی تعداد ظاہر کرتا ہے۔

مرد	عورتیں	بچے	میزان
۱۶۰۹	۲۷۵۴	۳۹۹۸	۸۳۶۱

صحت و طب

اپنی صحت و تن دُرستی کے بارے میں ہر شخص کے ذہن میں مختلف قسم کے سوالات اُبھرتے ہیں۔ مگر جب ان کے جواب نہیں ملتے تو ذہن میں عجیب سی کرید ہوتی ہے اور وہ مطمئن ہونا چاہتا ہے۔ پریشانی کی اس کیفیت میں آپ شاید کہتے ہوں کہ ایسا کوئی لٹریچر ہی نہیں جو آپ کی ان پریشانیوں اور سوالات کا جواب دے۔ ہر انسان اپنے جسم کی مشینی کے بارے میں تھوڑا بہت سمجھنا چاہتا ہے مگر کہاں اور کیسے سمجھے؟ خبرنامہ ہمدرد کا یہ صفحہ آپ کے دل کی بات اور آپ کے سوال کے جواب کے لیے مختص ہے۔

سوال: میں ہر روز دانتوں کے لیے بُرش استعمال کرتا ہوں اور کبھی کبھی مسواک بھی، لیکن دانت پھر بھی پیلے اور خراب رہتے ہیں کوئی صورت اس پریشانی سے نکلنے کی بتائیے۔

شاہد رضا، بیرون کھیانی دروازہ، گوجرانوالہ

جواب: اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دانت قدرتی طور پر کچھ مٹیالے ہوتے ہیں۔ ایسی حالت میں ظاہر ہے کچھ بھی استعمال کرلیا جائے وہ سفید نہیں ہو سکتے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مسلسل پان کے استعمال سے یا میل کے دانتوں پر جمے رہنے سے دانتوں کی آب و تاب اور سفیدی ختم ہو جاتی ہے، ایسی حالت میں بھی یہ کیفیت کسی بھی منجن، ٹوتھ پیسٹ کے استعمال سے ٹھیک نہیں ہو سکتی ہے۔

آپ اس سفیدی کی فکر نہ کیجیے بلکہ کوشش اس بات کی کیجیے کہ منھ میں کوئی بیماری نہ پیدا ہونے پائے۔ دانت جیسے بھی ہوں صحت مند رہیں منھ سے بو نہ آئے۔ اگر یہ سب ٹھیک ہے تو سمجھ لیجیے کہ آپ کے دانت ٹھیک ہیں۔

سوال: میں آٹھویں جماعت کی طالبہ ہوں، سر میں شدید درد کے سبب پڑھ نہیں سکتی۔ اسی وجہ سے سر کے بال بھی گرتے جا رہے ہیں۔ کوئی علاج اس مستقل درد سر کا بتائیے تاکہ مطالعے میں دشواری نہ ہو۔

(نورجہاں عاشی، بھکر، ضلع میانوالی)

جواب: آپ نے پوری کیفیت نہیں لکھی۔
کیا نزلہ زکام کی شکایت عام طور پر رہتی ہے؟
کیا آنکھیں کمزور ہیں؟
بغیر آپ کو دیکھے کوئی صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا پھر بھی آپ آنکھوں کا امتحان کرائیے۔ اگر نظر کم زور ہے تو چشمہ کا استعمال کیجیے۔ ناشتہ میں ۷ دانے بادام ۷ دانے کشمش کا استعمال کیجیے۔

سوال: گرمیوں کے زمانے میں ہفتے میں ایک دفعہ میری نکسیر ضرور پھوٹتی ہے، ٹھنڈی چیزیں کھاتی ہوں تو نزلہ، زکام ہو جاتا ہے۔ براہ کرم کوئی علاج بتائیے۔

حسین احمد خاں، کراچی

جواب: آپ حیاتین ج ۵۰۰ ملی گرام کی تین ٹکیاں روزانہ صبح دوپہر اور رات کھانے کے بعد مسلسل اپنے استعمال میں رکھیے۔ انشاء اللہ فائدہ ہوگا۔

سوال: مجھے چار پانچ سال سے سخت زکام کی شکایت ہے جس کا میں نے کافی علاج کیا لیکن فائدہ نہیں ہوتا۔ براہ کرم کوئی کارگر نسخہ بتائیے۔

(محمد یعقوب، گجرات)

جواب: جو چیز آپ کو پسند ہو وہ استعمال کیجیے۔ بس ذرا ٹھنڈی، کھٹی چیزوں سے پرہیز کیجیے۔ کھانے کے بعد دونوں وقت پابندی کے ساتھ حیاتین الف اور د (Vitamin A & D) کی ایک ایک گولی پابندی کے ساتھ کھائیں اور حیاتین ج ۵۰۰ ملی گرام ایک گولی صبح اور ایک گولی شام کو۔ غذا میں گاجر کا زیادہ استعمال کریں۔ صبح کو مسلسل ناشتہ سے پہلے دس دانے بادام رات کو بھگوتے ہوئے کو چبائیں۔

سوال: میرا دس سالہ بھائی رات کو سوتے میں بستر پر پیشاب کر دیتا ہے جس کی وجہ سے پورا گھر پریشان رہتا ہے۔ کیا آپ اس کے لیے کوئی علاج بتائیے گا

(اعجاز احمد، چبوترا چوک، رُوھڑی)

جواب: دو تین احتیاطیں برتیے:
۱۔ رات کو سونے سے پہلے پیشاب ضرور کرالیجیے۔
۲۔ سوتے وقت پانی نہ پلائیے۔
۳۔ اپنی پریشانی فکر اور تشویش کا اظہار بچے کے سامنے نہ کیجیے تاکہ وہ اپنی اس کوتاہی کے لیے زیادہ حساس نہ ہو جائے۔
۴۔ رات کو سوتے وقت نصف چائے کے چمچہ بھر معجون ماسک ابول کا استعمال کرائیے۔

سوال: سولہ سال کی عمر ہے، میرے گالوں پر دانے عرصے سے چہرے کو بدنما بنائے ہوئے ہیں۔ کریم مختلف قسم کی انھیں دُور نہ کر سکی۔ آپ علاج بتائیں۔

(رقیہ، اٹک)

جواب: آپ اپنے چہرہ پر سنترہ یا کینو کے چھلکے کو دن میں کئی بار ملیے۔ اور رات سوتے وقت کیلامین لوشن (Calamine Lotion) شیشی کو خوب ہلا کر بذریعہ روئی استعمال کیجیے۔
انشاء اللہ چند ہی روز میں آپ کو فائدہ محسوس ہونے لگے گا۔

سوال: میرے سینے میں ہر وقت شدید درد رہتا ہے جب بولتا ہوں تو سینے کا درد شدید ہو جاتا ہے کوئی علاج بتائیں، میں سخت پریشان ہوں۔

محمد مصعب خاں موکھیانہ، ضلع جھنگ، صدر

جواب: حقیقت یہ ہے کہ "سینہ" ایک ایسی اصطلاح ہے کہ صحیح طور پر سمجھا نہیں جا سکتا، تاوقتیکہ مریض کا باقاعدہ امتحان نہ کیا جائے۔ اگر نزلہ زکام کی زیادتی کی وجہ سے بدن کا یہ حصہ دُکھتا ہے تو پھر حیاتین الف اور د (Vitamin A & D) کا آپ مسلسل استعمال کیجیے۔ ایک ایک کیپ سول دن میں تین مرتبہ کھانے کے بعد۔

یہ علاج تو طویل ہے اگر فوری فائدہ حاصل کرنا ہے تو پھر کوئی بھی اچھی درد دُور کرنے والی دوا کی گولی کھا لیا کریں۔

اگر سینہ کے درد کی وجہ "ریاحیں" (گیسیز) ہوں تو پھر اُن کے علاج کی طرف توجہ دینی چاہیے۔

بہتر یہ ہے کہ آپ کسی قریبی اچھے معالج سے اپنا باقاعدہ امتحان کرائیں۔

سوال: میری عمر بیس سال ہے، کبھی کبھی میری ٹانگوں میں درد اٹھتا ہے اور اینٹھن ہوتی ہے، رگوں میں بھی کھنچاؤ ہوتا ہے اور ٹانگ کے اوپر کا سارا گوشت سُن ہو جاتا ہے۔ سب سے زیادہ اثر پنڈلیوں میں رہتا ہے براہ کرم اس کا سبب و علاج بتا کر ممنون فرمائیے۔

سعیدہ محبوب علی۔ راولپنڈی

جواب: یہ تمام علامات جو آپ نے تحریر کی ہیں عصبی درد کی علامتیں ہیں، پٹھوں میں ہیجان اور التہاب (معلوم ہو کہ سوئیاں چبھ رہی ہوں) عصب میں ہیجان کی وجہ سے ہوتا ہے، اسے طبی اصطلاح میں ارسی فنیشن کہا جاتا ہے اور یہ سب غذا کی کمی کا سبب ہے یا تو آپ کی غذا میں عمدگی نہیں ہے یا غذا آپ کا جسم جذب نہیں کر رہا ہے۔ اعصاب کے لیے حیاتین ب گروپ کو ضروری سمجھا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کو سالن کی کوئی تکلیف ہو اور آپ کے ڈاکٹر نے سکھیا کے انجکشن اس کے علاج کے لیے آپ کو دے دیے ہوں۔ اس کے نتیجے میں بھی یہ درد ہو سکتا ہے میری رائے یہ ہے کہ آپ کو اپنی غذا پر پوری توجہ دینی چاہیے کلیجی بھون کر کھانا یا اس کا شوربہ بنا کر پینا مفید ہوگا گیہوں کی بھوسی پانی یا دودھ میں جوش دے کر شکر ملائیے اور پیتی رہیے اس سے بھی آپ کو فائدہ ہوگا دوا: المسک معتدل جواہر دار صبح نہار منہ ۶ گرام آپ پندرہ بیس روز تک کھائیں۔ آپ کے جسمانی قوتی کو مضبوطی اور احتیاط کی سخت ضرورت ہے۔

تاثّرات

(از حضرت ملاّ واحدی)

ہوا، پانی اور روشنی اس قسم کی نعمتیں ہیں کہ انھیں نعمت سمجھنے کا خیال ذرا مشکل سے آسکتا ہے، مگر اپنی غذا پر تو غور کرلو۔ سوچو، زمین سے اگر اناج اور پھل اور ترکاری پیدا ہونی بند ہوجائے۔ زمین کی یہ صرف صلاحیت سلب کرلی جائے، اور دوسری طرف وہ جانور جن کا تم گوشت کھاتے ہو، بھیڑ بکری، مرغ، بٹیر، مچھلی وغیرہ سب کی نسلیں مٹادی جائیں تو تمہارا کیا بنے، تم کیسے زندہ رہو؟

مُسلم یونی ورسٹی علی گڑھ میں نماز نہ پڑھنے پر مُسلمان طلبہ کو جرمانے کی سزا ملتی تھی۔ مولانا ابوبکر جون پوریؒ شعبۂ دینیات کے انچارج تھے۔ طلبان سے جرمانے معاف کرانے آتے تو وہ باتوں باتوں میں غیر حاضری کی وجہ کا اندازہ لگاتے اور حسبِ بیان پروفیسر رشید احمد صدیقی اس طرح تنبیہ فرماتے کہ میاں! تمہارا یہ زمانہ آزادی اور بے فکری کا بھی ہے اور پابندی و ریاضت کا بھی۔ بڑے ہوگے تو آج کل کی فراغتوں اور غفلتوں کو یاد کرکے مسرور یا ملول ہوگے۔ دیکھو، موجودہ زمانہ غفلت میں مت گنواؤ۔ آج دکھ درد میں ماں باپ یا سرپرستوں سے تقویت حاصل ہے، جب وہ نہیں رہیں گے تب بھی سہارے کی ضرورت قطعی پڑے گی، لہٰذا ابھی سے اللہ کا سہارا ڈھونڈو، تاکہ اس وقت پچھتاوا نہ ہو۔ جاؤ جرمانہ معاف۔

سمجھانے کا کتنا اچھا طریقہ تھا مولانا ابوبکر جون پوریؒ کا۔

حکیم سقراط کے ہم عصر کوئی دوسرے حکیم جن کا نام یاد نہیں آرہا، سقراط سے ملنے تشریف لائے۔ ملاقات کے بعد سقراط کے شاگردوں نے اُن سے دریافت کیا۔ ہمارے اُستاد کو کیسا پایا؟ وہ بولے، اور تو سب طرح ٹھیک ہیں، حکمت ان کی کنیز ہے مگر اپنی خواہشِ نفسانی کے پتلے ہیں۔ شاگرد بگڑ گئے کہ اتنی سخت گستاخی۔ سقراط نے سنا تو بتایا، حکیم سچ کہہ گئے ہیں مجھ میں خواہشِ نفسانی کا مادّہ بہت زیادہ ہے، لیکن میں اسے ایسا دبا چکا ہوں کہ یہ حکیم ہی میرے قیافے سے تاڑ گئے، دوسرا نہیں جان سکتا تھا، اس کے معنی ہوئے کہ اللہ توفیق دے تو بڑی سے بڑی فطرت مغلوب کی جاسکتی ہے۔

میں مادر زاد ولیوں کا منکر نہیں ہوں۔ مادر زاد ولی غالباً وہ ہوتے ہیں جنھیں نبوّت تو نہیں ملتی، لیکن کسی قدر استعداد نبوّت ملتی ہے۔ نبوّت ختم نہ کردی گئی ہوتی تو انھیں نبوّت دی جاتی۔

یورپ وغیرہ میں ربڑ کے اور پلاسٹک کے ایسے انسان بنائے جاتے ہیں کہ آپ اصلی انسان اور مصنوعی انسان میں فرق نہیں کرسکتے۔ علیٰ ہذا اصلی انسانیت اور فطری و خلقی انسانیت کے ساتھ مصنوعی انسانیت کے پیدا ہوجانے کا امکان ہے۔ بُرے سے بُرا آدمی دل میں ٹھان لے کہ اچھا بنوں گا تو اچھا بن سکتا ہے۔ کاش اللہ تعالیٰ اچھا بننے کی توفیق عطا فرمائے۔

وہی ریاض جو تھے بُت پرست و بادہ پرست
خدا کی یاد میں بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے

بڑے آدمی سے مراد اگر دولت مند ہیں تو دولت مند بے شک شہروں میں پیدا ہوا کرتے ہیں اور جتنی بڑی آبادی کا شہر ہوتا ہے، اُتنا ہی بڑا آدمی وہاں پیدا ہوتا ہے، لیکن بڑے آدمی سے مراد ایسا آدمی ہے جس کا نام دنیا میں باقی رہ جائے تو ایسے آدمی چھوٹی بستیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ سرسید احمد خاں، حکیم اجمل خاں اور علامہ راشد الخیری اور چند آدمیوں کو مستثنیٰ قرار دے لیجیے۔ باقی مشاہیر، علماء اور صوفیا نے قصبوں اور قریوں ہی میں جنم لیا۔

مولانا شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی دراصل پھُلت کے تھے۔ پھُلت ضلع مظفر نگر کی معمولی بستی ہے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کے نام کے ساتھ قصبہ گنگوہ چسپاں ہے اور مولانا اشرف علی تھانوی کے نام کے ساتھ قصبہ تھانہ بھون لگا ہوا ہے۔ اس قسم کے اور بڑے آدمیوں کو بھی کلیر، رام پور منہاراں، جھنجھانہ، منگلور، انبیٹھا، کاندھلہ، کیرانہ وغیرہ معمولی بستیوں میں پایئے گا۔ بمبئی، کلکتے، دلّی اور کراچی آکر اس قسم کے آدمی نمایاں تو ہوسکتے ہیں۔ بمبئی، کلکتے دلّی اور کراچی میں پیدا نہیں ہوسکتے۔ میاں نذیر حسین، محدّث دلّی کے نہیں تھے۔ دلّی پہنچ کر نمایاں ہوئے تھے۔ ڈپٹی نذر احمد ضلع بجنور کے کسی گاؤں کے تھے۔ خواجہ حسن نظامی بستی نظام الدین (غیاث پورہ) کے۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی دریا آباد ہی ہیں۔ علامہ شبلی اور علامہ سلیمان ندوی شہروں کے رہنے والے نہیں تھے۔

کہاں تک گنواؤں۔ علامہ اقبال کی پیدائش بھی لاہور کی نہیں، سیالکوٹ کی ہے۔ سیالکوٹ لاہور کے برابر شہر نہیں ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح کراچی میں جس وقت پیدا ہوئے تھے کراچی چند ہزار کی آبادی کا شہر تھا۔ بڑے شہر نابغوں کی قدر ضرور بڑھاتے ہیں، نابغہ پیدا نہیں کرتے۔ میں ان بزرگوں کا ذکر کررہا ہوں، جن کی دلوں پر حکومت ہے ؎

رہے نہ ایبک و غوری کے معرکے زندہ
ہمیشہ تازہ و شیریں ہے نغمۂ خسرو

خاندان کیا چیز ہے؟ میں بھی عمر بھر اس پر فخر کرتا رہا ہوں۔ دلّی میں ۱۹۱۱ تک ملازمت کو شرفا کا پیشہ سمجھا جاتا تھا، اور صناعی (دست کاری) اور تجارت بے پڑھے لکھے لوگوں کا پیشہ تھا۔ تجار دولت مند تھے اور صنّاع (دست کار) فارغ البال اور مطمئن، لیکن دھونس "نکھت چاکری" کہنے والوں کے دل پر بھی غیر فارغ البال اور غیر مطمئن ملازمت پیشہ لوگوں کی تھی کیوں کہ اہل ملازمت میں تھوڑا سا حاکمانہ اقتدار آجاتا ہے۔

حکیم اجمل خاں کے ہندوستانی دواخانے سے پہلے محلّہ ملی ماران میں دو عظیم ہندوستانی دواخانے تھے۔ ایک شیخ جمال الدین کا اور ایک میر فیض الحسن کا۔ شریف خانی اطبا نسخے لکھتے تھے اور ان دواخانوں سے ان کی ادویہ خریدی جاتی تھیں۔ شیخ جمال الدین کا عطّار برادری سے تعلق تھا، اور میر فیض الحسن کا سرسید احمد خاں کے خاندان سے۔ سرسید احمد خاں نے میر فیض الحسن کو سفارش کرکے ملازمت نہیں دلوائی تھی۔ میر فیض الحسن نے خفا ہوکر عطّاری کی دُکان کھول لی، گویا سرسید احمد سے سفارش نہ کرنے کا بدلہ لے لیا اور خاندان کی ناک کاٹ دی۔

بزرگانِ دین سے زیادہ قابل عزّت کون ہوسکتا ہے، جنھوں نے ہندوستان میں اسلام پھیلایا اور جن کے طفیل آج برّصغیر پاک و ہند میں سولہ کروڑ مسلمان ہیں، مگر ذرا ان بزرگوں کے نام لیواؤں (پیرزادوں) کا حال تو دیکھیے۔ خواجہ حسن نظامی بھی پیرزادے تھے ان کی زندگی اس طرح شروع ہوئی تھی کہ درگاہ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا کے زائرین کی جوتیوں کی حفاظت کیا کرتے تھے تب چند پیسے ملتے تھے پھر اللہ نے ایسا عروج بخشا کہ ان کے قلم کا تو ہر شخص قائل ہے۔ خواجہ صاحب کو زبان پر قلم سے بڑھ کر قابو حاصل تھا میرا اور خواجہ صاحب کا پچاس برس مسلسل ساتھ رہا۔ میں نے آخر عمر میں قلم کو بہکتا ہوا دیکھا، لیکن زبان سے غیبت نہیں سنی۔ تو فرمایئے قابل عزّت جوتیوں کی دھوالی کرنے والے حسن نظامی تھے یا عروج یافتہ اور صاحب کردار حسن نظامی، سلطان المشائخ سے نسبت خواجہ حسن نظامی کو دونوں حالتوں میں تھی۔ معیار شرافت دو نہیں ہوسکتے۔ معیار شرافت وہی صحیح ہے جو اللہ کے نزدیک صحیح ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اپنے دورِ خلافت میں ایک جنگ کے موقع پر فرمایا کہ مسلمانو! دشمن باطل نصب العین رکھ کر متحد ہے، اور تم صحیح نصب العین رکھنے کے باوجود اتحاد سے محروم ہو، یا تمہارا کوئی نصب العین ہی نہیں ہے

یہی وجہ ہے کہ باطل نصب العین والے تم پر غالب ہوتے جاتے ہیں۔ نصب العین بنائے بغیر کام یابی حاصل نہیں ہوا کرتی۔

لوگ کسی بات کو بھی عقیدہ اور نصب العین بنا لیں اور دین کی طرح بالکل اس کے مطابق عمل کریں اور ایک دوسرے سے عمل کے لیے کہیں اور دوران عمل میں کیسی ہی دشواریاں اور مشکلات آئیں گھبرائیں نہیں، بلکہ ایک دوسرے کا دل بڑھائیں تو ایسی کام یابی حاصل ہوتی ہے جیسی امریکا کے مقابلے میں ویت نام کو حاصل ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت کی فوز و فلاح کے لیے ان چار شرطوں کو لازمی قرار دیا ہے۔ (۱) ایمان باللہ (۲) اعمال صالحہ (۳) تواصی بالحق (۴) تواصی بالصبر" انسانی تاریخ اور قوموں اور تمدن کے زمانۂ عروج و زوال کا حال اس کا شاہد ہے کہ بنی آدم نقصان اور خسارے میں رہے ہیں، بجز ان کے جو (۱) اللہ پر ایمان لائے اور جنھوں نے اللہ کی خوش نودی کو اپنا نصب العین بنایا اور (۲) اللہ کے احکام کے مطابق اپنے تمام کا انجام دیے اور (۳) جنھوں نے تعمیل حکم باری تعالیٰ کی ایک دوسرے کو صلاح دی اور (۴) اس تعمیل میں رکاوٹیں پڑیں، اور دشواریوں کا سامنا ہوا تو ایک دوسرے کا حوصلہ بڑھایا۔ ایک دوسرے کو برداشت کی تلقین کی۔"

(سورہ ۱۰۳۔ آیات ۱ تا ۳)

جس نے چاروں وصف اپنے اندر جمع کر لیے اس کی دنیا اور آخرت دونوں سنور گئیں اور جسے یہ وصف نہیں ملے وہ حسنۃً فی الدنیا سے بھی گیا اور حسنۃً فی الاخرۃ سے بھی۔ یا آدھے وصف ملے تو آدھی کام یابی ملی۔

اس حقیقت کی عمر اتنی طویل ہے جتنی خود انسانیت کی عمر ہے۔ زمانے اور حالات نے عملی شکلوں میں ضرور تبدیلیاں کی ہیں لیکن حقیقت اور امر واقعہ اور اصول اپنی جگہ قائم ہے کہ دنیا اور آخرت کی کام رانی مطلوب ہو تو (۱) اللہ پر ایمان لاؤ (۲) صالح عمل کرو (۳) ایک دوسرے کو صالح عمل کی طرف توجہ دلاؤ (۴) عمل صالح کرنے میں تکلیفیں پہنچیں تو ایک دوسرے سے تکلیفیں برداشت کراؤ۔

نصب العین کے بغیر عمل کرنا عمل صالح کیا ہوش مندانہ عمل بھی نہیں ہوتا۔ ٹامک ٹوئیاں مارنا ہوتا ہے۔ مسلمانوں کا نصب العین ہے۔ اللہ پر ایمان لانا اور اطاعت کرنا، اور مسلمانوں کے نزدیک عمل صالح ہے اللہ کی بتائی ہوئی برائیوں کو برائیاں سمجھنا اور ان سے بچنا۔ اس کی بتائی ہوئی اچھائیاں اختیار کرنا، اور انھیں دوسروں تک پہنچانا۔

ہمدرد نسواں

مسلم خواتین کا جنگ میں کردار

اسلامی تاریخ و سیرت کی کتابوں کے مطالعے سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ مسلم خواتین کے مجاہدانہ کارنامے ہر دور اور ہر زمانے میں مسلم ہیں چناں چہ اسی سلسلے میں اسلام کے ابتدائی دور میں مسلم خواتین کی جنگی خدمات کا جو ذکر ملتا ہے ہم اسے ذیل میں درج کر رہے ہیں۔

غازیوں کو پانی پلانا۔

زخمی مجاہدین اسلام کی تیمارداری اور مرہم پٹی کرنا، مجاہدین کو رسد و سامان پہنچانا، ٹوٹے ہوئے آلات حرب کی درستی اور مرمت کرنا۔ اسلامی فوج کے لیے کھانا تیار کرنا اور ان کی وردیاں وغیرہ سینا۔

غزوات رسول مقبولؐ میں ایمانی جذبے کے ساتھ خدمات

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں ام سلیم اور انصار مدینہ کی بعض خواتین محترم مجاہدین کو پانی پلانے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے کی خدمات انجام دیتی تھیں۔ غزوۂ بدر میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ شریک تھیں، ان کے سپرد یہ خدمت تھی کہ وہ غازیوں کو پانی پلائیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کریں۔ غزوۂ احد میں جب آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو گئے اور خون کسی طرح بند نہ ہوتا تھا تو حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے چٹائی جلائی اور اس کی راکھ آپ کے زخم میں بھر دی، جس سے خون فوری بند ہو گیا۔

حضرت ام سلیمؓ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر غزوے میں شریک رہتی تھیں۔ حضرت ام عطیہؓ نے متعدد غزوات میں مسلمانوں کے لیے کھانا پکا کر خدمت انجام دی۔ حضرت ام ورقہ بنت نوفل کا بزرگ ترین صحابیات رسولؐ میں شمار ہوتا ہے وہ نہایت عابدہ و صالحہ تھیں اور شوق شہادت سے اس درجہ سرشار کہ رمضان المبارک ۲ھ میں غزوۂ بدر کے معرکے میں شریک جہاد ہونے کا ارادہ آں حضرتؐ کے سامنے انھوں نے ان الفاظ میں پیش کیا۔

"مجھے جہاد میں شریک ہونے کی اجازت دی جائے، میں مریضوں اور بیماروں کی تیمارداری کروں گی، اس طرح شائد مجھے درجۂ شہادت نصیب ہو جائے۔"

آں حضرت نے بعض مصالح کے پیش نظر انھیں جہاد میں شرکت کی اجازت نہ دی، البتہ یہ ارشاد فرمایا،

"تو اپنے گھر ہی میں رہ، تجھے اللہ تعالیٰ شہادت دے گا۔"

چناں چہ آپؐ کی پیش گوئی اس طرح صحیح نکلی کہ کچھ عرصے بعد انہی کے دو غلاموں نے ان کو شہید کر دیا۔

جنگ احد میں ابن قمیہ کے پتھر سے رسول خدا کے چوٹ آئی اور آپؐ کی پیشانی زخمی ہو گئی۔ ابن ہشام کے پتھر سے رسول خدا کا بازو مضروب ہو گیا اور عتبہ کے پتھر سے آپؐ کے چار دانت شہید ہو گئے۔ آں حضرتؐ پھر ایک غار میں گر گئے خبر یہ اڑی کہ آپؐ شہید ہو گئے۔ مدینے سے محترم خواتین سن کر دوڑی آئیں، یہاں آ کر خاتون جنت فاطمہ بتولؓ نے باپ کے زخموں کو دھویا، پیشانی کا خون تھمتا نہ تھا، اس میں چٹائی جلا کر بھری۔ حضرت علی مرتضیٰؓ اس وقت ڈھال میں پانی بھر بھر کر لاتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور ام سلیمؓ نے مشکیزے اٹھائے اور دونوں خواتین محترم نے پانی لا کر پلایا۔

غزوۂ خیبر میں اشجعیہ نے جرحاکات کر مسلمانوں کی مدد کی۔ مذکورہ خدمات کے علاوہ مسلم خواتین نے ہر دور میں حسب ذیل دو ایسی خدمات بھی انجام دی ہیں کہ یقیناً ساری دنیا حیران و ششدر رہے۔ ان کی تیغ جوہر دار اور مردانگی کے نقوش رہتی دنیا تک لوگوں کے دلوں پر قائم رہیں گے۔

میدان کارزار میں بہ نفس نفیس شمشیر بکف ہو کر جنگ آزمائی کرنا۔ اولاد کو دشمن کے مقابلے کے لیے تیار کرنا اور جہاد کے لائق بنانا۔ مسلم خواتین نے غزوات اور جنگوں میں مذکورہ دونوں صورتوں میں شجاعت، بہادری جواں مردی کے ساتھ صبر اور بردباری کے وہ جوہر دکھلائے کہ اپنے تو اپنے غیر بھی حیرت زدہ اور انگشت بدنداں ہیں۔ ان کی سرفروشانہ جاں نثاری اور فداکاری کی مثالیں قرطاس عالم پر ہمیشہ زندہ و تابندہ رہیں گی۔

اسلامی نظام میں دیانت اور عدل کی اہمیت

جناب حافظ ذاکر دہلوی

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ"

اس مختصر سی آیت متبرکہ میں اسلام کی تمام تعلیمات کی روح اور ایک مسلمان کی دین دارانہ صفات کا خلاصہ موجود ہے۔ پورے کے پورے داخل ہونے سے مراد یہ ہے کہ ایک مسلمان خواہ وہ ادنا ہو یا اعلا، حاکم ہو یا عوام میں سے، تاجر ہو یا مزدور، مرد ہو یا عورت جو بھی ہو اور جس حال میں بھی ہو اس کی عملی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس طرح گزرے کہ اس کے دل و دماغ سے خدا اور رسولؐ کی خوشنودی کا خیال جدا نہ ہو۔ اس کے خیالات، اس کے جذبات، اس کی حرکات و سکنات اس کے معاشی مشاغل، اس کے معاشرتی حالات، یہاں تک کہ اس کے ملکی معاملات میں بھی خدا اور رسولؐ کی رضا کا پہلو مخفی نہیں نمایاں ہونا چاہیے۔

اسلامی نظام میں حکم راں کے لیے صرف یہی ضروری نہیں کہ وہ خود ظلم کا ارتکاب نہ کرے، بلکہ حکم راں پر یہ فریضہ بھی عائد ہوتا ہے کہ مملکت کے ملازمین اور عہدے دار بھی کسی پر ظلم نہ کریں۔ حکم راں عدل کا پابند ہے تو عوام دیانت پر قائم رہنے کے پابند ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اے ایمان والو! جب تمہیں لوگوں کے درمیان کسی معاملے یا مسئلے میں حاکم بنایا جائے، یعنی فیصلہ کرنے والی حیثیت دی جائے تو تمہیں چاہیے کہ جو فیصلہ بھی کرو عدل و انصاف کی روشنی میں کرو۔"

امانت و دیانت کے ہر تقاضے کی تکمیل کے لیے عدل سے کام لینا نہ صرف انتہائی ضروری ہے بلکہ ایک مسلمان کا دینی فریضہ ہے جس کی ادائی سے ایک مسلمان اس وقت تک حسن و خوبی سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا، جب تک اللہ اور اس کے رسولؐ کی رضا پیش نظر نہ ہو، معاشی مشاغل میں اسلام تجارت کو پسندیدہ شغل قرار دیتا ہے کیوں کہ اس میں قدم قدم پر برکتیں ہی برکتیں ہیں لیکن شرط یہی ہے کہ ایک مسلمان کی تجارت میں ہر قدم پر اور ہر عمل میں خواہ وہ عمل خرید ہو یا عمل فروخت ہو، خدا اور اس کے رسولؐ کے قانون کو ملحوظ رکھا جائے نہ کہ محض منافع کی زیادتی کے لیے تجارت کی جائے۔ ایسی تجارت کا اسلام کی تعلیمات سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ دیانت دار تاجر آخرت میں نبیوں اور شہیدوں کی صف میں کھڑا ہوگا۔

جب دو یا دو سے زائد اشخاص کے کسی تنازعے میں ایک مسلمان کو منصف بنایا جائے تو اسے اپنا فیصلہ دیتے وقت اس حقیقت پر سختی سے کاربند رہنا چاہیے کہ وہ یہ فیصلہ خدا اور رسولؐ کی خوشی کے لیے دے رہا ہے اس فیصلے میں اس کے کسی ذاتی فائدے یا لالچ کا کوئی دخل نہیں ہے۔

آیئے اپنے اسلاف کے چند واقعات اور رسول کریمؐ کی چند احادیث کو سامنے رکھ کر ہم اسلامی زندگی کا تجزیہ کریں کہ قرآن مجید کی اس آیت پر کہاں تک ہم پورے اترتے ہیں جو مضمون کے ابتدائی حصے میں منقول ہے۔

امام غزالیؒ نے محمد بن ملک شاہ سنجر کو ہدایت نامہ لکھا کہ "سب سے پہلے آپ کو یہ جاننا چاہیے کہ حکومت کرنا کس درجہ پُرخطر فرض ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں سب سے زیادہ عذاب جس کو دیا جائے گا وہ ظالم بادشاہ ہوں گے۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ایک بغیر دودھ دینے والی بکری کی بھی خبر گیری مجھ سے رہ گئی تو قیامت میں مجھ سے مواخذہ ہوگا۔ اے بادشاہ، غور کرنا چاہیے۔ حضرت عمرؓ کو کمال احتیاط و عدل کے مواخذے کا کس قدر ڈر رہتا تھا اور آپ کا یہ حال ہے کہ اپنی رعایا کی کچھ خبر ہی نہیں۔ آپ کو معلوم نہیں کہ ملک والوں کا کیا حال ہے، آپ کو صرف اس بات پر قناعت نہیں کرنا چاہیے کہ ظلم کا ارتکاب نہ کیا جائے، بلکہ آپ اس کے ذمے دار ہیں کہ آپ کے خدام اور عہدے دار کسی پر ظلم نہ کریں۔ اے بادشاہ غور کیجیے کہ اگر آپ کھانے کے زیادہ حریص ہیں تو آپ جانور ہیں اور اگر ریشمی لباس کا زیادہ شوق ہے تو مرد نما عورت ہیں۔ اگر آپ غیض و غضب کے قابو میں ہیں تو آدمی کی صورت میں درندہ ہیں۔ ہر معاملے میں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ آپ ایک عام آدمی ہیں اور فرماں روا کوئی اور ہے۔ اس صورت میں اس بات کا اندازہ کیجیے کہ جو معاملہ آپ دوسروں کے ساتھ کرتے ہیں اگر وہی آپ کے ساتھ کیا جاتا تو کیا آپ اسے پسند کرتے؟"

سلطان سنجر بہ امام صاحب کی ہدایات و استفسار کا یہ اثر ہوا کہ اس نے حکم دیا کہ سال بھر میں تمام علماء آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی مشکلات آپ سے حل کیا کریں۔

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ تم سے پہلے کے لوگوں میں ایک شخص تھا، اس کے پاس جب موت کا فرشتہ رُوح قبض کرنے کے لیے آیا اور مرنے کے بعد اس سے پوچھا گیا کہ تو نے بھلائی کا کوئی کام کیا ہے؟ تو اس شخص نے کہا "مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے بھلائی کا کوئی کام کیا ہو۔" پھر اس سے کہا گیا کہ سوچ کر یاد کرو۔ اس نے کہا کہ "مجھے تو اس کے سوا اور کچھ یاد نہیں کہ میں دنیا میں لوگوں کے ساتھ خرید و فروخت کا کاروبار کرتا تھا تو انھیں پورا پورا دیتا تھا، اور تقاضے کے موقع پر خوش حال لوگوں کو مہلت دیتا تھا اور تنگ دست لوگوں کو معاف کر دیتا تھا۔" چناں چہ خداوند کریم نے بھی اس کو اس نیکی کے باعث جنت میں داخل کر دیا۔

ایک اور روایت میں حضرت ابو سعید خضریؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا "سچ بولنے والا اور امانتدار تاجر آخرت میں نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔"

حضرت عبید بن رفعا اپنے والد سے اور وہ رسول اللہ صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ بددیانت اور دروغ گو تاجر کا حشر فاسقوں اور فاجروں کے ساتھ ہوگا۔ مگر وہ تاجر اس سے مستثنیٰ ہوں گے جنھوں نے تقوے نیکی اور سچائی کی راہ اپنائی۔ حضرت ابو ہریرہؓ اور ابو سعید کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا، جب کوئی گروہ یاد خدا میں بیٹھتا ہے تو فرشتے اسے گھیر لیتے ہیں اور رحمت ان پر چھا جاتی ہے یعنی اس گروہ میں شامل لوگوں کو سکون اور اطمینان حاصل ہوتا ہے، اور ان کا ذکر اللہ اپنے مقرب فرشتوں سے فخریہ کرتا ہے یہ حدیث تاجروں کے اس گروہ سے بھی بلاشبہ متعلق ہے جو اپنی تجارت میں مصروف رہتے ہوئے بھی سچائی اور دیانت اور خوف کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔

سیرت ابن ہشام میں ایک واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول خداؐ مدینے کے بازار سے گذر رہے تھے، آپؐ ایک مقام پر رُکے، جہاں ایک تاجر غلہ فروخت کر رہا تھا آپ نے غلے کی ڈھیری میں ہاتھ ڈالا تو دیکھا کہ اوپر اوپر غلہ سوکھا ہے اور نیچے گیلا۔ یہ منظر دیکھ کر چہرۂ انور غصے سے تمتما اُٹھا اور آپؐ نے فرمایا "جس میں امانت نہیں اس میں دین نہیں۔" یہاں آپ کی مراد امانت سے یہ ہے کہ جب کوئی تاجر مال فروخت کرنے کے لیے دُکان پر پہنچتا ہے تو وہ مال خریداروں کی امانت ہے اور جب اس کے عوض میں خریدنے والا جو پیسہ تاجر کو ادا کرتا ہے وہ تاجر کی امانت ہوتا ہے اسی امانت میں خیانت کی ایک شکل تو وہ ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے، دوسری شکل یہ ہے کہ کوئی شخص کسی تاجر سے اگر اچھا مال خریدے اور اس کو قیمت ادا کرتے وقت کسی قسم کا دھوکا کرے تو گویا خریدار خیانت کے جرم کا مرتکب ہوا۔

تجربات ہمدرد

خریدار کا اطمینان ضروری ہے

اگر کوئی یہ پوچھے کہ اپنا مال فروخت کرنے والے کی خصوصیات کیا ہیں تو اس کا سیدھا سادہ جواب یہ ہے کہ کسی شخص کو اپنا ہم خیال بنانا اور اُسے خود اپنی ضرورت کی کوئی چیز خریدنے پر آمادہ کر لینا ایک تاجر کا خاص کام ہے۔ فرض کیجیے آپ کے پاس کوئی ایسی چیز موجود ہے جو آپ کے خیال میں آپ کے گاہک کے کسی خاص مقصد کے لیے بہت مفید ہو سکتی ہے، تو اس چیز کے متعلق اس شخص کو اس طرح بتانا اور اُس کی تشریح کرنا کہ ضرورت مند یہ یقین کرتے ہوئے کہ وہی چیز اُس کے لیے ضروری ہے اور وہ اُس کو لینے کے لیے اپنی آمادگی ظاہر کر دے۔ بس یہی فروشندگی ہے۔ فروخت کرنے کا آرٹ۔

Salesmanship

کسی گاہک میں اس امر کا احساس پیدا کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ جو چیز آپ اس کے سامنے پیش کر رہے ہیں وہی اُس کی شدید خواہش یا ضرورت کو پورا کر سکے گی۔ اس دنیا میں ہر انسان پر اس کی کسی بنیادی غیر شعوری آرزوؤں کا اثر غالب رہتا ہے۔ ہم بھوکے ہوں تو غذا کی خواہش ہوتی ہے، تھکے ماندہ ہوں تو آرام کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، امن و عافیت کی جگہ کی خواہش بھی رہتی ہے۔ اس کے علاوہ امتیاز اور نام وری، دوست احباب، بہتر اور سہولتوں سے پُر زندگی کی آرزو دامن گیر ہوتی ہے، اور سیکڑوں دوسری چیزوں کی آرزو بھی انسان کے ذہن کو گھیرے رکھتی ہے۔ انھی تحت الشعوری آرزوؤں اور خواہشوں کا وجود مؤثر فروشندگی کا امکان پیدا کرتا ہے۔ یہ آرزوئیں اور خواہشیں ہمیشہ مستعد اور سرگرم رہتی ہیں چاہے ہمیں ان کا احساس ہی نہ ہو۔

جب ہماری توجہ کسی ایسی چیز کی طرف مبذول ہوتی ہے جس کے متعلق ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہماری کسی خواہش کو پورا کرنے کا امکان رکھتی ہے تو ہم اُسے ہر ممکن طریقے پر حاصل کرنا چاہتے ہیں جیسے ایک بچہ جھنجھنا پکڑنا چاہتا ہے، یا ایک بلی کسی ایسی چیز پر جھپٹتی ہے جو چوہا معلوم ہوتی ہے۔ جیسے ہی کسی خواہش کو پورا کرنے کی تحریک پیدا ہوتی ہے ہم اُسے پورا کرنے کی کوشش شروع کر دیتے ہیں۔ ممکن ہے کسی مصلحت یا کم زوری کی وجہ سے کچھ مزاحمت پیدا ہو، لیکن اگر تحریک مضبوط ہے تو ساری رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں۔

انسانی فطرت کا بہ غور مشاہدہ کرنے والوں نے ہمیشہ اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے اور جدید علم نفسیات نے اسے پورے طور پر ثابت کر دیا ہے۔ دراصل کسی چیز کا فروخت کرنا ایک خریدار کو سمجھانے اور مطمئن کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ وہ چیز کیوں کر اُس کی ضرورت کو پورا کرے گی۔ یہ بات سمجھ لینے کے بعد کہ فروشندگی ایک آرٹ ہے اور کسی کو کوئی چیز قبول کرا لینے کا ہی نام ہے، ہمیں بڑی آسانی سے اس امر کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ آج کل کی مشغول زندگی میں فروشندگی کی صحیح تکنیک کس قدر اہم اور ناگزیر ہے۔ پہلے آپ اس امر پر غور کیجیے کہ وہ چیزیں کتنی ہیں جن کی سفارش آپ لوگوں سے کر سکتے ہیں۔ وہ چیزیں جو پہلی نظر میں ہی اپنی قدر و قیمت ظاہر کر دیتی ہیں۔ بہت کم ہیں کوئی نئی دوا، کوئی نیا کپڑا، نئی قسم کی کوئی مشین، کوئی نیا کھیل، ان تمام چیزوں کی توضیح و تشریح ضروری ہے۔ اس کے لیے فروشندے کو اپنے گاہک کے لیے ایک پس منظر تیار کرنا پڑے گا تاکہ جن لوگوں کو ان میں سے کسی چیز کی ضرورت ہے وہ نہ صرف اس امر کا اندازہ کر لیں کہ وہ کس طرح بنتی ہے، وہ کس طرح استعمال کی جا سکتی ہے۔ بلکہ انھیں یہ بھی معلوم ہو جائے کہ وہ کس طرح اُن کو مطلوبہ فائدہ پہنچا سکتی ہے۔ اپنی کام یابی کے لیے اس قسم کا پس منظر تیار کرنا فروشندگی کا سب سے اہم جز ہے۔

جو لوگ فروشندے بننا چاہتے ہیں، یا پہلے سے ہی اس حیثیت میں کام کر رہے ہیں اور اپنے اس پیشے میں کام یاب ثابت ہونا چاہتے ہیں انھیں خود سے بعض اہم سوالات کرنے چاہئیں جو مستقبل میں انھیں صحیح فیصلہ کرنے میں مدد دیں گے۔

آپ اگر اپنی ترقی کے آرزومند ہیں تو اپنی خصوصیات اور اپنی صلاحیتوں کی ایک فہرست بنا لیں۔ مثلاً یہ اندازہ کریں کہ آپ ایمان داری کے ساتھ مندرجہ ذیل سوالوں کا جواب اثبات میں دے سکتے ہیں؟

- کیا آپ کی تن درستی بہت اچھی ہے؟
- کیا آپ لوگوں کو پسند کرتے ہیں؟ ہر قسم کے لوگوں کو!
- کیا آپ بہ تعجیل فیصلے کر سکتے ہیں؟ ایسے فیصلے جو عقل سلیم کے مطابق ہوں۔
- کیا آپ ملنسار ہیں، اور لوگوں سے دوستانہ برتاؤ کر سکتے ہیں؟
- کیا آپ رُپیہ پیدا کرنے کے خواہش مند ہیں؟
- کیا آپ اس مقصد کے لیے محنت کر سکتے ہیں؟
- کیا آپ سرگرم، پُرجوش اور حوصلہ مند رہنے کے عادی ہیں؟
- کیا آپ محل شناس اور با اخلاق ہیں؟
- کیا آپ ایسے ہیں جس پر لوگ آسانی سے اعتماد کر سکیں؟
- کیا آپ اپنے خریداروں کے نکات تحمل اور بُردباری سے سننے کے لیے اپنے آپ کو آمادہ پاتے ہیں؟
- کیا آپ دوسروں کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کی کوشش کر سکتے ہیں؟ ہر چند کہ وہ نقطۂ نظر آپ کی رائے سے قطعاً متضاد ہو۔
- کیا آپ گھر سے باہر کام کرنے کو گھر کے اندر کام کرنے پر ترجیح دیتے ہیں؟
- کیا آپ کو اس سے خوشی ہوتی ہے کہ آپ اپنے لیے ایک منزل کا تعین کر لیں اور پھر اس کے حصول تک کوشش کرتے رہیں؟
- کیا آپ خوش اسلوبی اور سادگی کے ساتھ گفت گو کر سکتے ہیں؟
- کیا آپ اپنے مزاج اور شخصیت کے اعتبار سے خود کو فروشندگی کے پیشے سے کلی طور پر ہم آہنگ پاتے ہیں؟ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ کیا آپ اس پیشے کے لائق ہونے کے بعد اسی سے وابستہ رہنے کے آرزومند ہیں؟

اگر آپ ان سوالوں کے یا ان میں سے اکثر کے جواب اثبات میں دینے کے اہل ہیں تو آپ میں یقیناً اچھے فروشندے کے اوصاف پائے جاتے ہیں، اور آپ میں وہ تمام عوامل و محرکات موجود ہیں جن کی رو سے آپ لوگوں کو سمجھنے کا اپنے اندر ملکہ رکھتے ہیں — اور یہی آپ کے ایک کام یاب فروشندہ ہونے کی دلیل ہے۔

۳۰۰ ملی لیٹر
شربتِ ہمدرد
سیرابایا
ایک موثر نباتاتی تغذیہ بخش مقوی
تمام افرادِ خاندان کے لیے ہر موسم میں استعمال کے لیے ایک ٹانک
ہمدرد
ہمدرد دواخانہ (وقف) پاکستان
کراچی - اسلام آباد - پشاور - کوئٹہ

ہمدرد نونہال

بڑے کام کی باتیں جو بہت سوچنے کی دعوت دیتی ہیں!

جاگو جگاؤ

پاکستانی بچوں کے مقبول اور پسندیدہ ماہ نامے "ہمدرد نونہال" میں ملک کے نامور دانش ور جناب حکیم محمد سعید ہر ماہ "جاگو جگاؤ" کے عنوان سے کام کی باتیں تحریر فرماتے ہیں، جسے باہر کے ملکوں میں آباد پاکستانی بچے بھی بے حد پسند کرتے ہیں۔ رسالے کے ایڈیٹر جناب مسعود احمد برکاتی نے ان کام کی باتوں کو جو زندہ رہنے، ترقی کرنے اور کامیابی کا سلیقہ سکھاتی ہیں ایک جاگو جگاؤ کے کتابی شکل میں مرتب کیا ہے، اس کتاب کو نیشنل بک کونسل نے اوّل انعام پانے والی کتاب قرار دیا۔ ہم اسی کتاب سے اس ماہ آپ کے مطالعے کے لئے چند عنوانات کے تحت کام کی باتیں پیش کر رہے ہیں۔

قرآن روشنی ہے

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، یہ ہمارا دستورِ حیات ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے ہماری رہ نمائی کے لیے وہ تمام اصول بیان فرما دیے ہیں جو صحیح راستے پر چلنے کے لیے اور اچھی زندگی گذارنے کے لیے ضروری ہیں۔ قرآن کی صورت میں ہمارے پاس ایک ایسا رہ نما موجود ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں ہماری رہ نمائی کرتا ہے۔ ہمیں ہدایت دیتا ہے۔ درحقیقت زندگی گذارنے کا صرف وہی طریقہ ہے جو قرآن حکیم ہمیں بتاتا ہے۔ جب ہم قرآن پر عمل کرتے تھے تو ہم برتر تھے۔ ہمیں دنیا کی ہر نعمت حاصل تھی، ہر راحت ہم کو میسر تھی اور ہم دنیا کو راستہ بتاتے تھے، روشنی دیتے تھے، کیوں کہ قرآن روشنی ہے۔

اگر ہم اب بھی قرآن کی طرف پلٹیں تو یہ ہمیں اب بھی وہ امن و سکون دے سکتا ہے جس کے لیے ہم ترس رہے ہیں اور ساری دنیا بے چین ہے۔ قرآن کی روشنی اب بھی ہمیں ناکامی کے اندھیرے اور ذلت کے گڑھے سے نکال سکتی ہے۔

قرآن کی روشنی سے فائدہ اٹھاؤ اور پاکستان اور ساری دنیا کو روشن کر دو۔

دل آزاری

دل آزاری یا دل دکھانا انسان کے عیبوں میں سے بدترین عیب ہے۔ دل آزاری کی اگر عادت پڑ جائے تو پھر انسان کبھی مقبول نہیں ہو سکتا۔ بعض لوگوں کی عادت ہو جاتی ہے کہ وہ اپنی بات چیت میں کوئی نہ کوئی جملہ ایسا کہہ دیتے ہیں جس سے سننے والے کے دل کو ٹھیس لگتی ہے اور اس کو تکلیف پہنچتی ہے۔ جب عادت پکی ہو جاتی ہے تو پھر آدمی کو اندازہ نہیں ہوتا کہ اس نے کیا کہہ دیا اور کس کا دل دکھا دیا۔

بات کرنے سے پہلے یہ ضرور سوچ لینا چاہیے کہ اس کا سننے والے پر کیا اثر پڑے گا۔ کہیں اس بات سے اس کو رنج تو نہیں ہوگا۔ فرض کرو کہ تمہارے پاس کوئی آدمی بیٹھا ہے اور اس کے کپڑے میلے ہیں اور تم نے کوئی بات کہہ دی جس سے اس کی توہین ہوتی ہے تو یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔ باتیں ہمیشہ اس طرح کرنی چاہییں جس سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے یا وہ اپنے کو حقیر نہ سمجھیں۔ بات اس انداز سے کرنی چاہیے کہ معلوم ہو تم سے تمہارا مخاطب (سننے والا) اچھا ہے۔ دل آزاری عیب ہے اور دل نوازی ایک اعلا صفت۔

مسلماں کے لہو میں ہے سلیقہ دل نوازی کا
محبت حسن عالمگیر ہے مردان غازی کا

وعدے کی پابندی

انسان جن عادتوں سے پہچانا اور اچھا یا بُرا سمجھا جاتا ہے ان عادتوں میں وعدے کی پابندی بھی شامل ہے۔ وعدے کی پابندی انسان کی ایسی خصوصیت ہے جو بہت جلد ظاہر ہو جاتی ہے اور دوسروں پر برا اثر ڈالتی ہے۔

انسان کو وعدے کی پابندی کا بڑا خیال رکھنا چاہیے۔ وعدہ کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ سمجھ لینا چاہیے کہ میں اس کو پورا کر سکوں گا یا نہیں۔ اگر یہ امکان ہو کہ وعدے کو پورا کرنے میں دقت ہوگی تو بہتر ہے کہ وعدہ نہ کیا جائے لیکن جب ایک بار وعدہ کر لیا تو اس کو ہر قیمت پر پورا کرنا چاہیے۔ وعدہ پورا کرنے سے انسان کی وقعت اور اہمیت بڑھتی ہے اور لوگ اس پر اعتبار کرنے لگتے ہیں۔ وعدہ پورا نہ کرنے سے انسان دوسرے کی نظر میں نیچا ہو جاتا ہے۔ لوگ اس کی کسی بات کا اعتبار نہیں کرتے۔ وعدہ کر کے پورا نہ کرنے سے وعدہ نہ کرنا اچھا ہے۔

کام یابی کیا ہے

بعض وقت آدمی کوشش کرتا ہے، لیکن کام یابی نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے اکثر لوگ بددل اور مایوس ہو جاتے ہیں، لیکن بددل ہو کر کوشش کبھی نہیں چھوڑنی چاہیے، کوشش جاری رکھنی چاہیے۔ اس لیے کہ کام یابی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوشش کا جو نتیجہ کوشش کرنے والا حاصل کرنا چاہتا ہے وہی حاصل ہو جائے تم نے کوشش کی، محنت کی، جدوجہد کی، بس یہی تمہاری کام یابی ہے۔ کام یابی کیا ہے؟ کوشش کی انتہا یا معراج کا نام کام یابی ہے، لہٰذا جب کسی شخص نے بھرپور کوشش کی تو اس نے کام یابی تو حاصل کر لی، اب چاہے نتیجہ توقع کے مطابق نہ ہو اور اگر آدمی کوشش نہ چھوڑے اور مایوس نہ ہو تو نتیجہ بھی ایک نہ ایک دن توقع اور مرضی کے مطابق نکل آتا ہے۔

نیشنل بک کونسل
کے کتاب میلے میں اوّل انعام پانے والی کتاب

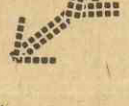

جاگو جگاؤ

حکیم محمد سعید کی خوب صورت تحریروں کا دل کش مجموعہ

ہمدرد نونہال کے مقبول کالم "جاگو جگاؤ" کی زبان سادہ اور دل نشین ہوتی ہے۔ حکیم محمد سعید کے اس کالم کو بچے بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ ان بکھرے ہوئے موتیوں کو مسعود احمد برکاتی نے مرتب کر کے ایک مفید، دل چسپ اور رنگین کتاب بنا دیا ہے۔

سفید کاغذ، حسین سرورق، قیمت کم

دو روپے میں ہر اچھے بک اسٹال سے مل سکتی ہے

ہمدرد اکیڈمی، ناظم آباد، کراچی نمبر ۱۸

ہمدرد صحت

زخم، آنسو اور ڈاکٹر

نصر اللہ خاں

پچھلے دنوں سوشل سیکیورٹی انسٹی ٹیوشن (حکومت سندھ) کے کمشنر جناب احمد مقصود حمیدی نے انسٹی ٹیوشن کے ڈاکٹروں کے نام جو اپیل بھیجی ہے اس کی ایک نقل روزنامہ حریت کے ۲۲ اکتوبر کے شمارے میں شائع ہوئی ہے۔ یہ اپیل انتہائی رقت انگیز ہے۔ اس اپیل پر ڈاکٹروں کو خبر کیا ہو نا آئے گا البتہ ہم ایسے مریض روتے روتے آنسوؤں میں بہہ گئے۔ آپ کو اس بات پر تعجب ضرور ہوا ہوگا اور آپ نے بڑی حیرت سے یہ سوچا ہوگا کہ ملک کے موجودہ حالات میں آنسوؤں کے اتنے سارے ذخیرہ اندوز کہاں سے آگئے جبکہ ملک میں آنسوؤں کا کال ہے۔ اگر آپ کی جیب میں رومال ہے تو فوراً نکال لیجیے اور جو دو چار آنسو آپ نے اپنی آنکھوں میں کسی برے وقت کے لیے بچا کر رکھے ہیں انہیں بہا دیجیے۔ اللہ تعالیٰ پھر یہ نعمت عطا کرے گا۔

مقصود حمیدی صاحب نے اپنی اپیل میں یہ لکھا ہے۔

"کوئی انسانی فعل بیمار کو صحت مند بنانے اور اس کی مسکراہٹیں بحال کرنے اور زخمیوں کے زخم مندمل کرنے سے زیادہ تخلیقی نہیں ہے۔"

ہم تو اسے حمیدی صاحب کا ادبی شہ پارہ سمجھتے ہیں۔ ممکن ہے کہ انہوں نے شعر و ادب کا ذوق رکھنے والے ڈاکٹروں سے "ڈھیروں داد بھی وصول کی ہو، لیکن جہاں تک ڈاکٹروں کے افعال و اعمال سے اس کا تعلق ہے تو ہمارا عام ڈاکٹر یوں بھی دن رات بے شمار تخلیقی کاموں میں مصروف رہا ہے۔ مریض سے معائنے کا معاوضہ اور دوا کی قیمت وصول کرنے میں وہ مریضوں کے مردہ دلوں کو جلاتا ہے۔ ان کے دل کی دھڑکنیں اس کے رویے سے تیز ہو جاتی ہیں۔ ہم نے یہ دیکھا ہے کہ جب لو بلڈ پریشر کا مریض کسی بڑے ڈاکٹر کے مطب میں جاتا ہے تو مطب سے نکلتے ہی اسے ہائی بلڈ پریشر ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر بیچارا تو زندگی اور موت کے درمیان واقع ہے، موت کے بعد گورکن آتا ہے تو موت سے پہلے ڈاکٹر سے واسطہ پڑتا ہے۔ اگر مریض ڈاکٹر کے چہرے پر مسکراہٹیں بحال کرنے کی مقدرت رکھتا ہے تو ڈاکٹر اسے بچانے کی اپنی سی کوشش ضرور کرتا ہے، لیکن زندگی اور موت کے معاملات تو اللہ میاں کے ہاتھ میں ہیں۔ نہ ڈاکٹر کی دواؤں سے کچھ ہوتا ہے اور نہ گورکن کی دعاؤں سے اور ہم نے تو یوں بھی اپنے سارے کام اللہ میاں پر چھوڑ رکھے ہیں۔ خیر اگر ڈاکٹر مریض کو بچانے کی بھی کوشش کرے تو یہ بات پھر اللہ میاں کے ہاتھ میں ہے کہ وہ دوا کی خاک کو اپنے کرم سے خاکِ شفا بنا دے۔ ورنہ ملک میں جو دوائیں بنائی جا رہی ہیں ان میں سے زیادہ تر دوائیں خاک ہیں۔

پھر ڈاکٹر کم، مریض بے شمار، ہسپتال میں جان بچانے والے آلات نایاب۔ ان حالات میں ڈاکٹر مریضوں پر بگڑتا ہے۔ اپنا دماغی توازن کھو دیتا ہے اور زیادہ تر مریض امراض سے اتنے نہیں مرتے جتنے وہ ہسپتال کے موجودہ ماحول میں ڈاکٹروں اور نرسوں کے ناروا سلوک سے مر جاتے ہیں۔

ایک صاحب نے یہ کہا ہے کہ ایک طرف تو ہمارے بیشتر ڈاکٹر مرنے والے مریضوں بلکہ بعض نہ مرنے والے مریضوں اور یہاں تک کہ ان مریضوں کے بیٹے کے تیمار داروں کو بھی ان کے خالق سے ملانے کے نیک کام میں بڑی عجلت کرتے ہیں۔

ایک صاحب جب اس دنیا سے رخت سفر میں ایک بیماری اپنے ساتھ لے کر اگلی دنیا پہنچے تو سیدھے جہنم کا دروازہ جا کھٹکھٹایا۔ جہنم کے فرشتے نے اپنی فہرست میں ان کا نام دیکھا تو یہ نام نہیں پایا۔ اس نے کہا "تم تو آپ کی روانگی کی اطلاع نہیں ملی۔" یہ خوشی خوشی اچھلتے کودتے جنت کا دروازہ کھولنا ہی چاہتے تھے کہ جنت کے فرشتے نے انہیں روک کر پوچھا "تمہیں یہ کیسے پتا چلا کہ تمہیں جنت کے لیے بھیجا گیا ہے"۔ فرمایا "دوزخ کی فہرست میں میرا نام نہیں ہے"۔ اب تو فرشتہ بہت چکرایا اور دوزخ اور جنت کے فرشتوں کی پورے ایک گھنٹے تک میٹنگ ہوتی رہی۔ آخر میں ان میں سے ایک فرشتے نے یہ پوچھا "حضرت آپ کس ڈاکٹر کے حوالے سے یہاں تشریف لائے ہیں؟"

جب موصوف نے ڈاکٹر کا نام بتایا تو دونوں فرشتوں نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور کہا، "وہ سامنے جو چھولداری لگی ہے وہاں اپنی باری کا انتظار کیجیے، کیونکہ جن ڈاکٹر صاحب کے حوالے سے آپ یہاں تشریف لائے ہیں وہ خاصی جلد بازی سے کام لیتے ہیں۔ ہمارے موت کے فرشتے کو بھی ان سے یہی شکایت ہے۔ ان کے مریض دو دو تین تین مہینے پہلے یہاں پہنچ جاتے ہیں اور یہ چھولداری انہی کے مریضوں کے لیے یہاں لگوائی گئی ہے۔"

پھر مرحوم نے ایک بڑا سا ٹینٹ دیکھا جس میں بے شمار زخمی پڑے کراہ رہے تھے۔ پوچھنے پر ایک زخمی نے بتایا کہ ہم وہ ہیں جو کراچی کی سڑکوں پر حلال ہوئے چونکہ ہم بھی وقت مقررہ سے پہلے یہاں آگئے ہیں اس لیے اب یہاں ویٹ کر رہے ہیں۔

حمیدی صاحب نے اپنی اپیل میں ڈاکٹروں سے یہ کہا ہے کہ "مزدور ایسے ماحول میں پلتا اور بڑھتا ہے جو غیر صحت مند ہوتا ہے، جہاں ہر طرف گندگی اور غلاظت ہوتی ہے، جہاں خاندان کافی بڑا ہوتا ہے، جہاں بے پناہ تنگی سے گزر اوقات کرنی پڑتی ہے۔ پھر غیر متوازن غذا اور سخت محنت اسے وقت سے پہلے بوڑھا کر دیتی ہے۔ چنانچہ ہمارے معاشرے کے ورکر کا واحد تحفظ اس کی صحت ہوتی ہے تاکہ وہ مسلسل بر سرِ روزگار رہ سکے۔ چنانچہ وہ اپنے اس اثاثے کی رشک و حسد کے جذبے کے ساتھ نگرانی کرتا ہے اور اگر اسے مناسب اور بروقت طبی امداد نہ ملے تو وہ سنکی ہو جاتا ہے۔ جناب حمیدی نے کہا کہ ڈاکٹر صاحبان ذرا سی توجہ اور انہماک اور ہمدردی کے ذریعہ ورکر کا آدھا دکھ اور اس کی آدھی بیماری دور کر سکتے ہیں۔

یہ بات حمیدی صاحب نے صحیح کہی ہے۔ اصل چیز نہ دوا ہے نہ علاج، ڈاکٹر کی مسکراہٹ اور اس کی نرمی اور اس کا برتاؤ ہے۔ ڈاکٹر انسان کم اور فرشتہ زیادہ ہے اور زندگی اور موت کے کھیل میں یہ اس پر ہے کہ وہ ہیرو بننا چاہتا ہے یا وہ رحمت کا فرشتہ بننا چاہتا ہے یا ملک الموت صاحب کا رفیقِ کار ☐

(بشکریہ۔ حریت)

مسرت اور شادمانی کے گُر

مسرت کیا ہے؟ یہ سوال اکثر ذہنوں میں اُبھرتا ہے۔ مسرت انسانی ذہن کی ایک ایسی کیفیت کا نام ہے جسے نادر اور بیش بہا کہا جا سکتا ہے اور جس کی تلاش کا ہر شخص آرزومند رہتا ہے کوئی اُسے گپھاؤں میں تلاش کرتا ہے، کوئی پہاڑ کی چوٹیوں پر اور کوئی اُسے جذب و کیف میں ڈوب کر اُسے پانے کی کوشش کرتا ہے۔ بعض وقتی سیر میں اور بعض دائمی ہیں۔

دائمی مسرت کا انحصار اس حقیقت پر ہے کہ آپ ذہنی طور پر کس قدر پختہ ہیں۔ مسرت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان کچھ تعلیم یافتہ ضرور ہو یا پھر اس کا ذہن تربیت یافتہ ہو، کیوں کہ شادمانی حاصل کرنے کے لیے ایک مناسب حد تک گردوپیش کی معلومات رکھنا بے حد ضروری ہے۔ دماغ کے لیے لازمی ہے کہ اس میں کام کرنے کی صلاحیت ہو اور وہ فوری طور پر اپنے اطراف کے ماحول اور دنیا میں دلچسپی لینے کی اہلیت رکھتا ہو۔ اس کے علاوہ دماغ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس میں کسی الجھن کے بغیر فرصت اور تنہائی سے لطف اندوز ہونے اور ان کی قدر کرنے کی صلاحیت بھی ہو۔

اس تعریف کے بعد کہ مسرت کا تعلق ذہنی پختگی سے ہے بہت سوں کا یہ دعویٰ غلط ثابت ہو جاتا ہے کہ مسرت اور شادمانی کا تعلق صرف نوجوانی سے ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ اس میں بھی کمی آتی جاتی ہے۔ ۲۰ سال سے زیادہ عمر کا کوئی بھی شخص بشرطیکہ اس میں ذہنی پختگی آگئی ہو، مسرت اور شادمانی کی دولت سے مالا مال ہو سکتا ہے۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ بچے شاذ و نادر ہی دائمی طور پر سے خوش رہتے ہیں، اُن کی خوشیاں عارضی ہوتی ہیں، مسرت کا وقتی دورہ پڑتا ہے اور پھر ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن بالغوں کی دنیا میں اکثر ان کی بے بسی انھیں عام طور پر مغموم اور دل شکستہ ہی رکھتی ہے یہاں تک کہ ان کی شخصیتوں میں ٹھیراؤ آجاتا ہے۔ ٹھیراؤ کا یہ عمل ۳۵ سال کی عمر کے بعد مکمل ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود اس کے باوجود اس بات کا امکان موجود رہتا ہے کہ وہ اپنے اندرونی خلفشار اور ناہمواریوں کی وجہ سے شک و شبہات میں گرفتار رہیں۔ اکثر نوعمر بالغ اس بات کے مدعی ہوتے ہیں کہ وہ خوش ہیں۔ دراصل وہ مسرت اور خوشی کے لفظ کو اپنی تنہائی کے تحفظ کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس قسم کے نوجوانوں میں مقوریدہ سری بڑھتی چلی جاتی ہے انھیں بڑی شدت کے ساتھ احساس ہوتا ہے کہ ان کا وقت بڑی تیزی کے ساتھ ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے اور وہ کوئی قابل اطمینان اور لائق توصیف کارنامہ انجام دینے سے قاصر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اپنی خامیوں اور کوتاہیوں کا احساس رکھنے والے لڑکے ہی عام طور پر مضحکہ خیز لباسوں میں نظر آتے ہیں، وہ ایسے انداز اختیار کرتے ہیں کہ لوگ انھیں دیکھ کر ان کی طرف متوجہ ہوں بعض لوگ بے حد سنجیدہ ہو جاتے ہیں سنجیدگی کے اس خول کو چڑھانے کا اصل مقصد بھی لوگوں کو یہ تاثر دینا ہوتا ہے کہ وہ بہت کچھ ہیں۔ بعض بے تحاشہ سگرٹ پینے لگتے ہیں۔ بعض بے تکان بولتے ہیں یا پھر مہر سکوت لگا لیتے ہیں۔ دراصل ایسے ہی لوگ بڑھاپے کو ایک آفت قرار دیتے ہیں۔

دنیا میں ایسے بھی لوگ ہیں جو ۳۰ سال کے بعد بھی خود کو خوش محسوس کرتے ہیں اور مسرت و شادمانی کی بے بہا نعمت کو کسی خاص عمر سے وابستہ نہیں کرتے۔ ان کے رہن سہن، خاندان اور حالات میں بظاہر کوئی تبدیلی نہیں آتی لیکن اس کے باوجود ہر شے ان کی مسرت میں اضافے کا باعث بنتی چلی جاتی ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ اس وقت تک ان کی شخصیت بن چکی ہے، ذہن کی تجربات کی روشنی میں صحیح اور متوازن فیصلے کرنے کی صلاحیت حاصل کر لیتا ہے، ان میں مانوس چیزوں اور چہروں سے محبت کرنے کی صلاحیت و قوت آجاتی ہے وہ تھوڑے سے غور و فکر سے ہر چیز کا تجزیہ اور اپنا احتساب کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ ان کے ذہن کی مشین کسی آواز کے بغیر کام کرتی رہتی ہے یہی ان کی دائمی مسرت کی کیفیت ہوتی ہے۔

دنیا کا کوئی بھی شخص پیدائشی طور پر شاداں و فرحاں نہیں ہوا کرتا۔ مسرت کوئی عطا کی ہوئی چیز نہیں ہے۔ مسرت تو نتیجہ ہوتی ہے ذہن کی اُپج اور پیداوار کی۔ یہ اتنی ہی حقیقی اور سچی ہوتی ہے جس طرح آپ کسی تازہ زخم کی ٹیس محسوس کر لیتے ہیں اسی طرح آپ مسرت کو بھی محسوس کر سکتے ہیں درد کی ہر محسوس ہوتی ہوئی لہر کی طرح شادمانی کی موجیں بھی آپ کو اپنے حقیقی ہونے کا احساس دلا سکتی ہیں۔ اور آپ پر یکایک یہ انکشاف ہو جاتا ہے کہ آپ خوش ہیں اور مسرت اور شادمانی آپ کے دامن میں سمٹ آئی ہیں۔ یہ احساس قلب و ذہن کی گہرائیوں سے اٹھتا ہے اور محبت کے جذبے کی طرح پروان چڑھتا ہے لیکن جو لوگ اس احساس اور چاہت کے جذبے سے عاری ہوں وہ اس اعتبار سے بالکل کھوکھلے ہوتے ہیں کہ نہ تو خود آسودہ خاطر ہو سکتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کی خوشیوں میں اضافے کا سبب ہو سکتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو شیفتگی کا یک طرفہ احساس پریشان رکھتا ہے کہ بس اُنھیں کو لوگ چاہیں اور ان کی تعریفیں کریں۔ عزت نفس کا جھوٹا احساس جس میں کم تری کا جذبہ بھی شامل ہو جاتا ہے اس طرح کے لوگوں کو بہت پریشان رکھتا ہے اور وہ زندگی کے ہر قدم پر ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ زندگی تو کچھ لو اور کچھ دو کے سنہری اصول کا نام ہے۔

ناخوش لوگوں کی ایک خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ خود کو شاذ و نادر ہی اس کیفیت کا ذمہ دار ٹھیراتے ہیں۔ اُنھیں ہر چیز میں عیب اور خامیاں ہی نظر آتی ہیں۔ وہ اپنی ملازمت سے مطمئن نہیں ہوتے اپنی ازدواجی زندگی سے مطمئن نہیں ہوتے، ان کی نظر میں والدین، افسر اور احباب تک ان باتوں کے قصوروار ہوتے ہیں۔ غرض یہ کہ ان کی تمام زندگی قسمت کی کوتاہیوں کا گلہ کرتے گزرتی ہے۔ اس کی اصل وجہ ان کی اپنی زندگی میں ربط اور تال میل کا فقدان ہوتا ہے۔ ان کے ذہن بخیر اور خیالات گڈمڈ ہوتے ہیں۔ وہ کام، کھیل اور زندگی کی ہر بازی میں کسی قسم کی سرگرمی دکھانے سے معذور ہوتے ہیں۔ ذہن میں کس ایک ہلکا سا خیال یہ رہتا ہے کہ انھیں اپنی حالت بہتر بنانی ہے۔ ایسے لوگ مسرت و شادمانی کے گُر پا سکتے ہیں؟ مسرت و شادمانی تو محبت، ضبط، کام، اعتدال، توازن اور تجربوں کا نچوڑ ہوتی ہے۔!

وقت سے فائدہ اُٹھائیے!

اپنی مصنوعات کی فروخت کے لیے

موسم کا صحیح انتخاب کیجیے

یہ بات تقریباً ہر بچہ جانتا ہوگا کہ باپ سے پیسے مانگنے کے لیے ایک وقت سازگار ہو سکتا ہے اور دوسرا ناسازگار۔ مثال کے طور پر ایک باپ کام پر جانے کے لیے تیاری کر رہا ہے اور جلدی سے گھر کی مصروفیتوں سے فارغ ہو کر اپنے دفتر یا کارخانے کی ڈیوٹی پر پہنچنا چاہتا ہے اور اس وقت اگر اس سے پیسے مانگے جائیں تو ہرگز نہیں دے گا، بلکہ پیسے مانگنے والے بچے پر الٹا ناراض ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر پھیری والا کسی ایسے وقت کسی خاتون خانہ کے پاس جائے گا جب وہ کھانا تیار کرنے میں مصروف ہو تو اسے کچھ بیچنے میں ناکامی ہوگی اور وہ خود ہی اس ناکامی کا ذمہ دار ہوگا کیوں کہ اس نے خریدار سے غیر مناسب وقت میں ملاقات کی۔

یہی مسئلہ ہر ایک خوردہ فروش یا مینوفیکچرر کو پیش آتا ہے۔ انھیں ایسے مناسب وقت پر اپنا ساز و سامان اور مصنوعات خریداروں کو پیش کرنے کا ڈھب آنا چاہیے جب وہ خریداروں کو واقعی مطلوب ہوں اور ان کی ضرورت خریدار محسوس کرتے ہوں، مثال کے طور پر اگر ایک پرچون کا دکان دار صبح مقررہ وقت سے ایک گھنٹے بعد اپنی دکان کھولتا ہے تو ظاہر ہے اس کے خریدار اس کے حریف سے اپنی ضروریات خرید لیں گے اور نتیجے کے طور پر کافی فروخت اس کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔

اصل میں فروخت کا مال فروخت کرنے کے لیے مناسب وقت کا مسئلہ صرف اسی حد تک نہیں ہے کہ عام طور سے خریدار کس وقت خریدنا پسند کرتے ہیں۔ اصل سوال یہ ہوتا ہے کہ کن مصنوعات کے لیے ہفتے، مہینے اور سال کے کون سے دن زیادہ مناسب ہیں۔ موسم سرما کی مثال لیجیے کہ اس موسم کی ضروریات اگست کے مہینے کے آخری ہفتے یا ستمبر کے پہلے ہفتے ہی میں لوگ آنے والی سردیوں کے لیے گرم اونی کپڑے اور اُون کی خریداری شروع کر دیتے ہیں، اب اگر کوئی دکان دار یہ سوچے کہ ابھی تو برسات کا موسم ہے اور سردی زیادہ سے زیادہ اکتوبر کے مہینے میں شروع ہوگی اس لیے ابھی سے اونی کپڑوں کی خریداری غیر ضروری ہے تو ایسا خریدار نقصان اُٹھائے گا اور اس کے مدمقابل دکان دار موسم سرما کی ضروریات فروخت کرنے میں میدان جیت لیں گے۔

بالکل یہی صورت اُن دوا فروشوں کی ہے جو اس وقت تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں اور یہ انتظار کرتے ہیں کہ جب تک پہلا خریدار اُن سے کسی سرمائی یا غذائی ٹانک جیسے ماہ اللحم، خوباں وغیرہ کی فرمائش نہیں کرتا وہ انھیں منگانے کی کوئی ضرورت نہیں محسوس کرتے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک موسم کا انجام دوسرے موسم کا آغاز ہوتا ہے۔ اگر ختم ہونے والے موسم ہی سے شروع ہونے والے موسم کا کچھ نہ کچھ انتظام نہ کیا جائے تو موسمی فروخت کبھی تسلی بخش نہیں ہوگی۔

ہمارے تجربے میں تو یہ بات بالکل سامنے کی ہے کہ ملک کا سب سے زیادہ مقبول شربت روح افزا جو موسم گرما میں کثرت طلب کی وجہ سے ہر جگہ قلیل مقدار میں پہنچتا ہے جنوری کے مہینے ہی سے ملک کے ہر حصے سے فروشندے اس کے حصول کے لیے کوششیں شروع کر دیں تو انھیں موسم گرما میں کسی دشواری کا سامنا نہ کرنے پڑے۔ یہ بات ہمارے مشاہدے میں آتی رہتی ہے کہ جو دکان دار رُوح افزا جنوری اور فروری میں حاصل کرتے ہیں فائدے میں رہتے ہیں، اور جو حضرات یہ سوچتے ہیں کہ وقت آنے پر حاصل کر لیا جائے گا مگر وقت آنے پر انھیں رُوح افزا کے حصول میں دشواریاں ہوتی ہیں۔ "پہلے طلب کرنے والوں کو پہلے۔ اور بعد میں طلب کرنے والوں کو بعد میں" اسی اصول کے تحت اس کی سپلائی کی جاتی رہی ہے۔ آپ کی تکلیف ہماری دونوں کی مشترکہ تکلیف ہے چنانچہ اب یہ طے کیا گیا ہے کہ پورے سال روح افزا کی تیاری جاری رہے اور جنوری کے مہینے ہی سے اس کی سپلائی بھی شروع کر دی جائے۔

دواؤں کی فروخت کا معاملہ بڑا نازک ہوتا ہے جب تک آپ ان کا میل قائم نہ رکھیں گے آپ کی فروخت متاثر رہے گی۔ خریدار کس وقت کون سی دوا لینے آجائے، یہ بات کوئی نہیں جانتا اس لیے آپ کو صرف چالو دواؤں ہی کا اسٹاک نہیں رکھنا پڑے گا بلکہ اپنے اسٹور میں ایک دو الماریاں ایسی دواؤں کے لیے الگ کرنی پڑیں گی جن میں ہر طرح کی دواؤں کا اسٹاک رکھا جائے تاکہ میل قائم رہے اور خریدار آپ کی دکان سے مایوس ہو کر نہ جائے ورنہ اس طرح ایک خریدار کے واپس جانے کا مطلب ہوگا روزانہ چار چھے خریداروں کا لوٹنا اور یہ آپ کیلئے بڑا نقصان دہ ثابت ہوگا۔

کارکنانِ ہمدرد

جناب مشرف علی

جناب مشرف علی، ۲۲ دسمبر ۱۹۵۳ء کو ادارۂ ہمدرد سے بہ حیثیت مددگار وابستہ ہوئے۔ یہ ابتدا ہی سے شعبہ اقراص سازی سے منسلک رہے ہیں اور اس شعبے میں کام کرنے کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں۔ اقراص میں شوگر کوٹنگ سلور کوٹنگ وغیرہ کے اہم کاموں سے پوری طرح آگاہ ہیں۔ مشرف علی صاحب اپنی صلاحیت، محنت، لگن اور اپنے کام سے دل چسپی کی بدولت ترقی کرتے ہوئے اب ٹیکنیشین کی حیثیت سے شعبہ اقراص سازی کے کارمینا سیکشن میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

جناب محمد رئیس

جناب محمد رئیس جولائی ۱۹۴۹ء میں بہ حیثیت مددگار ہمدرد سے منسلک ہوئے، انھوں نے سخت محنت، سوجھ بوجھ، لگن اور ذمہ داری کے ساتھ اپنے متعلقہ فرائض انجام دیے، جس کی بہ دولت انھیں دوا ساز کا گریڈ دیا گیا، رفتہ رفتہ انھوں نے شربت سازی اور دیگر ادویہ سے متعلق تمام کاموں کی مہارت حاصل کر لی، ان کی صلاحیت اور حسن کارکردگی سے متاثر ہو کر ادارہ نے انھیں ٹیکنیشین کا گریڈ دیا ہے اور محمد رئیس صاحب اس وقت شعبہ نونہال نہائی گرائپ واٹر میں ٹیکنیشین کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

ہمدرد ہاؤس راولپنڈی کا ٹیلیفون نمبر تبدیل ہو گیا ہے، نیا نمبر یہ ہے: ۶۸۱۰۰

خوُباں

صحت کے لئے ایک خُوب غذا

تازہ پھلوں اور خشک میوہ جات کا نفیس ولطیف اور خوش ذائقہ سنہرا شربت خُوباں جس میں شامل ہاضم، مقوّی جسم وجاں اور حیات بخش اجزائے غذائی نے اسے ایک منفرد ٹانک بنا دیا ہے۔

خُوباں، دواؤں سے بڑھ کر انسانی جسم کی حقیقی اور فطری غذائی ضرورتوں پر ہمدرد کے طویل تجربہ کا ماحصل ہے۔

خُوباں بچوں کو چاق وچوبند اور بڑوں کو چست وتوانا رکھتا ہے۔

خُوباں استعمال کرنے والے بچے تعلیم اور کھیل کود میں بڑے جی جان سے حصّہ لیتے ہیں۔ صحت مند لوگوں کے لئے خُوباں کا استعمال یوں بھی مناسب ہے کہ اس سے جسم وجان کو خوب اجزائے غذائی میسّر آتے رہتے ہیں اور شب وروز کی ذہنی محنت یا جسمانی مشقت سے کوئی تھکن یا سستی پیدا نہیں ہوتی۔ لاغر اور بیماری سے اٹھے ہوئے لوگوں کے لئے خُوباں ایک مفید اور مؤثر غذائی ٹانک ہے۔

کھلاڑیوں کے لئے خُوباں ایک ضرورت ہے۔ کھیل شروع کرنے سے پہلے اس کے دو چمچے پینے سے جسم میں مناسب طاقت وچستی پیدا ہوتی ہے۔ اور کھیل کے بعد خُوباں توانائی بحال کرتا ہے۔

خُوباں گھر کے ہر فرد کے لئے ہر موسم میں تن درستی اور توانائی بہم پہنچاتا ہے۔

رمضان المبارک میں روزانہ سحر کے وقت خُوباں کے دو چمچے دن بھر کے لئے آپ کی توانائی برقرار رکھتے ہیں۔

خُوباں

خوش ذائقہ سنہرا شربت

ہمدرد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

روزہ رکھنے کی نیت

بِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ

میں نے کل کے رمضان کے روزہ کی نیت کی

روزہ کھولنے کی نیت

اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ

الٰہی آپ کی رضا جوئی کے لئے میں نے روزہ رکھا اور آپ کی دی ہوئی روزی پر میں نے افطار کیا

اس کی اپنی چھوٹی سی دنیا میں بیماری کی گنجائش نہیں۔

بچے دنیا کے مسائل سے کتنے ہی غیر متعلق کیوں نہ ہوں خود ان کی عمر سے متعلق چھوٹی موٹی بیماریاں انہیں پریشان رکھتی ہیں۔ اپنے بچوں کی صحت کی حفاظت جڑی بوٹیوں سے تیار شدہ خوش ذائقہ نونہال ہربل گرائپ واٹر سے کیجئے۔

یہ ان کی آئے دن کی تکالیف مثلاً بدہضمی، قبض، اپھارہ، اسہال، قے، بے خوابی، دانت آنا اور پیاس کی شدت وغیرہ کے لئے ایک مفید اور مؤثر گھریلو دوا ہے۔

نونہال

نباتی گرائپ واٹر

بچوں کو مطمئن، مسرور اور صحت مند رکھتا ہے۔

ہمدرد دواخانہ (وقف) پاکستان
کراچی۔ لاہور۔ راولپنڈی۔ پشاور

ہمدرد